

ڈاکٹر غلام قادر لون

www.KitaboSunnat.com

حضرت

حضر

تحقیق کی روشنی میں

القلم پبلی کیشنز

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب

← عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔

← مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload)

کی جاتی ہیں۔

← دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹوکاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشر و اشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

← کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔

← ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

← نشر و اشاعت، کتب کی خرید و فروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

حضرت خضر

تحقیق کی روشنی میں

ڈاکٹر غلام قادر لون

www.KitaboSunnat.com

القلم ہیلی کیشنز، کشمیر

© جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب :	حضرت خضر: تحقیق کی روشنی میں
مصنف :	ڈاکٹر غلام قادر لون
ناشر :	القلم پبلی کیشنز، ٹرک یارڈ، بارہمولہ، کشمیر
اشاعت :	جولائی 2011
صفحات :	168
تعداد :	ایک ہزار
قیمت :	100/- (پتھر بیک)
کمپوزنگ :	وسیم یوسف مکائی (+91 9906672229)
ٹائٹل ڈیزائن :	شوکت نندا
پروڈکشن :	اپلانڈ بکس، نئی دہلی - ۲

249

لون - خ

ناشر

القلم پبلی کیشنز

AL-QALAM PUBLICATIONS

TRUCK YARD, BARAMULLA, KASHMIR - 193101

Ph.: +91 9906653927, +91 9797217997, +91 9906966106

Email: alqalamworld@gmail.com

Distributors

اردو بک ریویو

URDU BOOK REVIEW

1739/3 (Basement), New Kohinoor Hotel

Pataudi House, Darya Ganj, New Delhi-110002

Ph: 011-23266347 Email: urdubookreview@gmail.com

HAZRAT KHIZR: Tahqeeq Ki Roshni Mein

Author: DR. GHULAM QADIR LONE

1st Edition: July 2011 Pages: 168 Price: Rs.100/- (Paperback)

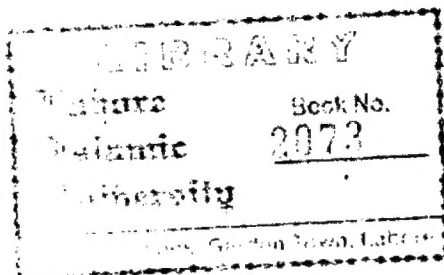
Printed at: Classic Art Printers, New Delhi-2

انتساب

برادر اصغر

سہیل بشیر کار

کے نام



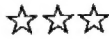
بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

فہرست

- دیباچہ** ڈاکٹر غلام قادر لون ۷
۱. حضرت خضر: نام و نسب اور حالات زندگی ۱۳
۲. ذوالقرنین اور چشمہ حیوان ۲۲
۳. فارسی شاعری: آب حیات کی تلاش ۳۰
۴. بابل کی تہذیب: حیات جاوداں کا تصور ۳۸
۵. بنی اسرائیل اور عمر جاوداں کا تصور ۴۱
۶. قرآن حکیم اور حدیث رسول: ۵۴
- حضرت خضر اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا واقعہ
۷. حضرت خضر: ولایت، نبوت اور رسالت ۶۱
۸. تصوف میں حضرت خضر کا مقام ۶۶
۹. حضرت خضر اور صوفیا ۷۵
۱۰. حضرت خضر اور حیات جاوداں ۹۷
۱۱. منکرین حیات کے دلائل ۱۰۶

حضرت خضر: تحقیق کی روشنی میں

۱۲. قائلین حیات کے دلائل ۱۱۵
۱۳. خلاصہ بحث ۱۲۵
۱۴. حضرت الیاس (علیہ السلام) ۱۳۹
۱۵. مراجع ۱۵۲
۱۶. اشاریہ ۱۵۷



دیباچہ

قرآن حکیم دنیا کی وہ واحد کتاب ہے جس نے انسانی تہذیب کے ہر گوشے کو منور کیا۔ اس کا نزول ”اقرا“ سے ہوا ہے، یہی لفظ انسانی تہذیب کا جوہر ہے۔ قرآن حکیم جس قوم میں نازل ہوا، اسے اپنی زبان پر ناز تھا، قرآن حکیم نے انھیں چیلنج کیا تو وہ اپنی زبان دانی کے باوجود اس کے سامنے لاجواب ہو گئے۔ قرآن حکیم نے عربی زبان کو نئے الفاظ اور الفاظ کو نئے معانی عطا کیے۔ یہ وہ کتاب ہے جس کی تلاوت کے لیے فن تجوید اور فن قرأت وجود میں آیا جس کی کتابت کے لیے خطاطی، خوشنویسی اور دقیق نویسی جیسے فنون نے جنم لیا۔ قرآن حکیم کی تفہیم کے لیے علم تفسیر نے آنکھیں کھولیں اور علم تفسیر کے لیے علم صرف، علم نحو، علم اشتقاق، علم لغت، علم معانی، علم اصول دین جیسے علوم وجود میں آئے۔ آیات الہی سے احکام کے استنباط کی ضرورت پڑی تو علم فقہ اختراع کیا گیا، پھر اصول فقہ اور علم الفرائض نے جنم لیا۔ غرض اس عظیم کتاب کی بدولت سینکڑوں علوم اور فنون پیدا ہوئے جنہوں نے انسانی تہذیب کو چار چاند لگائے۔

قرآن حکیم نے تاریخ کو روشنی عطا کی۔ انبیاء کرام کی تعلیمات کو صحیح تناظر میں پیش کیا۔ حضرت آدم سے لے کر خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم تک ابرار و فجار کی تاریخ دہرادی۔ معتبہ اقوام کے عبرتناک حشر کا منظر کھینچا۔ عاد، ثمود، فرعون، اصحاب کہف، اصحاب الرس، ذوالقرنین، یاجوج اور ماجوج کے بارے میں معلومات فراہم کیں، قرآن حکیم نے چودہ سو برس پہلے آثار قدیمہ کی اہمیت واضح کی اور ”سیر وانی الارض“ کی تاکید کر کے آثار قدیمہ کی تاریخ معلوم

حضرت خضر: تحقیق کی روشنی میں

کرنے کی حوصلہ افزائی کی۔ چنانچہ سرزمین عرب میں آثار قدیمہ کی چھان بین کرنے والوں کے لیے قرآن حکیم ہی مستند اور معتبر رہنما ثابت ہو رہا ہے۔

قرآن حکیم کے ایک ایک لفظ میں معانی و مفاہیم کی تاریخ پنہاں ہے۔ عبد کا لفظ متعدد آیات میں آیا ہے۔ مگر سورہ کہف میں ”عبد“ کا لفظ ایک خاص بندے کے لیے استعمال ہوا ہے۔ حضرت موسیٰ سے فرمایا گیا ہے کہ ہم نے ایک خاص بندے کو اپنے پاس سے علم عطا کیا ہے۔ زیر نظر کتاب اسی ”عبد“ کی کہانی ہے۔

احادیث مبارکہ میں اس خاص بندے کا نام ”خضر“ آیا ہے۔

مفسرین نے حضرت خضر کے بارے میں تفصیلی معلومات فراہم کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی ہے۔ انہوں نے واقعات و روایات کی چھان بین کر کے ان کے احوال زندگی معلوم کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ مورخین نے حضرت خضر کی زندگی کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالی ہے۔ علما نے ان کی وفات و حیات پر کتابیں تحریر کی ہیں۔ ارباب حال ہر دور میں حضرت خضر سے ملاقات کرنے کے آرزو مند رہے ہیں، اور عوام ہر ملاقاتی کے ساتھ مصافحہ کرتے وقت اس کا انگوٹھا دبا کر حضرت خضر کی تلاش میں رہتے ہیں۔ ادبا اور شعرا نے حضرت خضر، حیات جاوداں اور آب حیات کے استعاروں سے اپنے کلام میں ندرت پیدا کی ہے۔ زیر نظر کتاب شعر و ادب کی اس دلچسپ تلخیص کی اصل جاننے کی ایک کوشش ہے۔

کتاب کی تیاری کے دوران جن علماء کرام کی رہنمائی سے استفادہ کیا گیا ہے۔ ان میں استاذ گرامی ڈاکٹر عبید اللہ فراہی مدظلہ العالی سرفہرست ہیں۔ لکھنؤ میں قیام کے دوران استاذ محترم میرے سب سے بڑے محسن، مربی اور خضر راہ رہے ہیں۔ موصوف ایک عظیم انسان، بہترین استاد اور خلوص و وفا کے پیکر ہیں۔ ان کی ذات گرامی سے وابستگی میرے لیے سرمایہ افتخار ہے۔ ان کا شکریہ ادا کرنا حد بیان سے باہر ہے۔

علی گڑھ میں قیام کے دوران نامور عالم دین مولانا سلطان احمد اصلاحی مدظلہ العالی کی رہنمائی شامل حال رہی ہے۔ انھیں میرے تصنیفی مشاغل سے ہمیشہ دلچسپی رہی ہے جس کے لیے میں ان کا شکر گزار ہوں۔ علی گڑھ میں ڈاکٹر اشفاق احمد ظلی (ڈائریکٹر دارالمصنفین اعظم گڑھ) کی گراں قدر آرا سے میں نے ہمیشہ استفادہ کیا ہے جس کے لیے میں ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ پروفیسر یسین مظہر صدیقی اور پروفیسر عبید اللہ فہد فلاحی کے مفید مشورے دوران تصنیف شامل حال رہے ہیں، میں ان دونوں کا شکر گزار ہوں۔ برادر م ڈاکٹر ثناء اللہ پرواز (استاد فلسفہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی) ہر وقت میری حوصلہ افزائی کرتے رہے ہیں جس کے لیے میں ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

دہلی میں مشہور عالم دین مولانا محمد فاروق خان مدظلہ العالی کی رہنمائی ہمیشہ میرے لیے مشعل راہ رہی ہے۔ ان کی رہنمائی سے میں بار بار فیضیاب ہوا ہوں جس کے لیے ان کا شکریہ ادا کرتا میرا اخلاقی فرض ہے۔ کتاب کی تیاری کے دوران محترم نسیم غازی فلاحی اور محترم تابش مہدی میری ہمت افزائی کرتے رہے ہیں۔ اس کے لیے میں ان دونوں حضرات کا شکر گزار ہوں۔ افکار ملی کے مدیر محترم سید قاسم رسول الیاس کو میری تحریروں سے جو دلچسپی رہی ہے اس کے لیے میں ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ لکھنؤ میں محترم محمد اسلم خان، خلیل عظمت طہ محمد کیف الرحمن، صلاح الدین خان اور شمشاد احمد نے کتاب کی تیاری کے دوران جو تعاون دیا اس کے لیے میں ان سب کا شکر گزار ہوں۔

کتاب کی تیاری کے دوران جن دوسرے کرم فرماؤں نے میری حوصلہ افزائی کی ہے ان میں محترم غلام محمد ملک صاحب کرن نگر سرینگر، محترم گل محمد بٹ صاحب سرینگر، محترم الطاف احمد مون صاحب سوپور، محترم عبدالقیوم میر صاحب سوپور، محترم غلام حسن بٹ صاحب سوپور اور محترم محمد اسحاق حاجی صاحب قابل ذکر ہیں۔ میں تہہ دل سے ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ محترم

بلال احمد لنگو صاحب کو کتاب کی اشاعت سے جو دلچسپی رہی ہے۔ اس کے لیے میں ان کا شکر گزار ہوں۔ میں حاجی غلام رسول ڈار صاحب، غلام نبی پرہ اور برادر مثناء اللہ ڈار صاحب، اچھیل کا شکریہ ادا کرتا ہوں جو میری حوصلہ افزائی کرتے رہے ہیں۔

کتاب کی اشاعت میں ادارہ فلاح الدارین بارہمولہ کے نوجوانوں نے خاص رول ادا کیا ہے۔ میں ان سب کا شکر گزار ہوں۔ محترم فیاض احمد میر (امیر ادارہ)، امتیاز عبد القادر، عبد البصیر توحیدی، غلام محمد بٹ، حامد ثناء، ڈاکٹر عادل بشیر واصل، محمد امین جمال، عرفان الہی شالہ، عرفان بہادر، اقبال حفیظ، زاہد فیاض، عبد الرؤف، عادل الطاف، ریاض احمد فلاحی، عرفان فیاض، آصف مسعود مراز، جاوید احمد گوجری، تنویر احمد ملک، انجینئر زبیر عزیز، فردوس احمد جمال، الطاف صوفی، جاوید احمد زنگہ، مشتاق احمد جمال، رئیس احمد ڈار، عادل رشید خاص طور پر شکریہ کے مستحق ہیں۔ محترم ظہور احمد ڈار صاحب، بارہمولہ اور محترم رفیق احمد لون، جموں و کشمیر یتیم فاؤنڈیشن نے کتاب کی فوری اشاعت سے جس دلچسپی کا اظہار کیا ہے اس کے لیے میں ان دونوں کا تشکر ہوں۔

عزیز م وسیم یوسف مکائی نے کتاب کی کمپوزنگ میں بڑی محنت کی ہے۔ میں اس کے لیے ان کا شکر گزار ہوں۔ عزیز م شوکت احمد نندا نے کتاب کا ٹائٹل تیار کرنے میں خاصی دلچسپی دکھائی ہے۔ ان کا شکریہ ادا کرنا میرا اخلاقی فرض ہے۔

کتاب کی طباعت میں محترم محمد عارف اقبال (مدیر، اردو بک ریویو، نئی دہلی) کی رہنمائی اور مہارت کو خاص دخل ہے۔ زیر نظر کتاب کا اشاریہ (Index) انہوں نے بڑی محنت سے تیار کیا ہے۔ موصوف دین وادب کے مخلص ترجمان ہیں اور اردو زبان وادب کی بڑی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ ان کا شکریہ ادا نہ کرنا بڑی ناپاسی ہوگی۔

تصنیفی مشاغل سے میری دلچسپی اصل میں میرے والدین کے نالہ شب گیر اور آہ سحر گاہی

کا شمرہ ہے۔ یہ دونوں اب اپنے رب سے مل چکے ہیں۔ میں ان دونوں کے لیے وہی دعا کرتا ہوں جو میرے رب نے مجھے سکھائی ہے: ”اے میرے رب! تو ان دونوں پر رحم فرما جس طرح ان دونوں نے اس وقت میری پرورش کی جب میں بچہ تھا۔“

یہ کتاب شاید پایہ تکمیل کو نہ پہنچتی اگر اس کی تیاری کے دوران گھر کے افراد تعاون نہ دیتے۔ خواجہ غلام محمد لون، ان کی اہلیہ اور ان کے فرزند ان محمد اشرف، عبد المجید اور نصیر احمد نے گھریلو ذمہ داریوں سے فارغ کر کے جو تعاون دیا ہے، اس کے لیے میں ان کا شکر گزار ہوں۔ کتاب کی تصحیح اور پروف پڑھنے میں عزیزان عمر فاروق، عرفان اشرف اور عامر اشرف نے جو محنت کی ہے اس کے لیے وہ ہماری نیک دعاؤں کے مستحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں اپنے حفظ و اماں میں رکھے اور انھیں اسلام کی خدمت کرنے کی توفیق دے۔ چھوٹے بچوں عدنان اور حمیرا نے بہت خدمت کی۔ اللہ تعالیٰ دونوں کو سلامت رکھے۔ دوران تحریر طبقہ نسواں میں سے میری بہنوں عائشہ بیگم، راجہ بیگم، فاطمہ، حاجرہ مرحومہ، حفیظہ اور ربیعہ نے جو مثالی تعاون دیا ہے۔ اس کے لیے میں ان کا شکر گزار ہوں۔ میں اپنی اہلیہ کا حد درجہ شکر گزار ہوں جنہوں نے اطاعت شعاری کا حق ادا کر کے مجھے تحریری مشاغل کے لیے فارغ کر دیا، اور کتاب لکھنے کے لیے سازگار ماحول فراہم کیا۔ غلام محمد ملک صاحب کرن نگر سری نگر کی اہلیہ ہمشیرہ محترمہ نسیم بیگم نے میری عدم موجودگی میں میرے مسودات کی حفاظت کا برسہا برس تک خیال رکھا اور انھیں ضائع ہونے سے بچالیا۔ قیام سری نگر کے دوران ان کے گھرانے نے میری بہت خدمت کی ہے جس کے لیے میں ان کا ممنون احسان ہوں۔ میری ہمشیرہ رضیہ سلطانہ (معلمہ بنات الظہرہ بارہمولہ) نے خواتین کے حلقے میں میری تحریروں کو پھیلانے میں جو کوشش کی ہے، میں اس کے لیے ان کا بہت شکر گزار ہوں۔

اس کتاب کی تیاری کے دوران کتب خانہ علامہ شبلی نعمانی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ اور

حضرت خضر: تحقیق کی روشنی میں

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں شعبہ اسلامیات کی لائبریری سے استفادہ کیا گیا ہے۔ اس کے لیے دونوں لائبریریوں کے ذمہ داروں کا شکر گزار ہوں۔

کتاب کی اشاعت میں برادر عزیز سہیل بشیر کار، بارہمولہ نے سب سے زیادہ فعال رول ادا کیا ہے۔ انھوں نے غیر ضروری مشاغل سے میری توجہ ہٹا کر تصنیف و تالیف کی اہمیت واضح کی۔ سہیل بن کر نمودار ہوئے اور مجھے خواب غفلت سے بیدار کیا۔ میں ان کا ممنون احسان ہوں۔

طالب دعا

غلام قادر لون

حدی پورہ رفیع آباد، بارہمولہ

۲۷ رمضان ۱۴۳۲ھ / یکم فروری ۲۰۱۱ء

منگل۔ ۳ بجے روز

حضرت خضر

نام و نسب اور حالات زندگی

نام و نسب: حضرت خضر کے نام و نسب کے بارے میں دس سے زائد اقوال نقل کیے گئے ہیں ﴿۱﴾۔ بعض علماء نے انہیں حضرت آدم کی اولاد بتایا ہے۔ چنانچہ ایک قول کے مطابق آپ حضرت آدم کے چوتھے فرزند تھے ﴿۲﴾۔ ابو حاتم السجستانی (المتوفی ۲۵۰ھ/۸۶۳ء) ﴿۳﴾ کا بیان ہے کہ آپ کا نام خضرون بن قاتیل بن آدم ہے ﴿۴﴾۔ بعض دوسرے علماء کے نزدیک آپ حضرت ابراہیم (۱۸۶۱-۱۶۸۶ ق.م) پر ایمان لانے والے ایک شخص کی اولاد ہیں، آپ نے حضرت ابراہیم کے ساتھ بابل سے ہجرت کی تھی، اور آپ کا نام بلیا بن ماکان بن

﴿۱﴾ ابن حجر عسقلانی۔ الاسابہ فی تمییز الصحابہ، تحقیق علی محمد الجاوی، القاہرہ ۱۳۸۳ھ/۱۹۷۷ء ۲: ۲۸۶-۲۸۷

...الرحمہ اضر فی حال الخضر، تقدیم و تحقیق و تخریج۔ صلاح الدین مقبول احمد۔ ندوۃ العلوم (اصحد) الطبعة الاولى ۱۴۰۸ھ/۱۹۸۸ء

ابن کثیر۔ البدایہ والنہایہ، مکتوبہ المعارف بیروت، الطبعة الثانیہ ۱۹۷۷ء ۱: ۳۲۶

شیخ حسین ابن محمد بن الحسن الدیار الکبریٰ۔ تاریخ الخلفاء، مصر، الطبعة الاولى ۱۳۰۲ھ/۱۳۰۱

﴿۲﴾ البدایہ والنہایہ ۱: ۳۲۶

ابن کثیر۔ قصص الانبیاء۔ تحقیق الدكتور مصطفیٰ الواحد، مکتبہ المکرمہ، الطبعة الثانیہ ۱۴۰۸ھ/۱۹۸۸ء ۲: ۵۱۸

﴿۳﴾ ابو حاتم سہل بن محمد بن عثمان السجستانی ثعالبی اور مقرئ گزرے ہیں۔ انہوں نے طویل العمر اشخاص کی تاریخ کتاب المہرین“ (المہرون) کے نام سے تصنیف کی جسے مشہور مستشرق گولڈزیہر نے مرتب کیا ہے۔

﴿۴﴾ ابو حاتم سہل السجستانی۔ کتاب المہرین۔ مرتبہ گولڈزیہر، بریل، ایڈن ۱۸۹۹ء ص ۱ البدایہ والنہایہ ۱: ۳۲۶

تاریخ الخلفاء ۱: ۱۲۱۔ تاریخ الخلفاء میں بلیا کی جگہ بلیمان دیا ہے۔ بعض دوسری کتابوں میں بھی بلیمان آیا ہے۔

﴿۵﴾ ابو جعفر محمد بن جریر الطبری۔ تاریخ الطبری، دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان، الطبعة الثانیہ ۱۴۰۸ھ/۱۹۸۸ء ۱: ۲۴۰

فالح بن عامر بن شالح بن ارفخشذ بن سام بن نوح ہے ﴿۵﴾۔ وہب بن منہب (۳۳-۱۱۲ھ / ۶۵۴-۷۳۲ء) ﴿۶﴾ سے منسوب ایک قول میں حضرت خضر کا نام ایلیا بن عامیل بن شامس بن ارمیا بن علقما بن عیسو بن اسحاق بن ابراہیم آیا ہے ﴿۷﴾۔ ایک اور قول میں نام ارمیا بن حلقیا بیان کیا گیا ہے۔ حلقیا، حضرت ہارون (۱۳۹-۱۳۱۷ ق. م) کی اولاد میں سے تھے ﴿۸﴾۔ مراۃ الاسرار کے مصنف کے بیان کے مطابق ان کا نام خضر بن ملک بن عیان بن طیان بن سمعان بن سام بن نوح ہے ﴿۹﴾۔ مولانا یعقوب چرخئی (المتوفی ۸۵۱ھ / ۱۴۴۷ء) ﴿۱۰﴾ کے بقول حضرت خضر کا نام ملک بن بلیان بن سمعان بن سام بن نوح ہے ﴿۱۱﴾ اس کے علاوہ آپ کے نام و نسب کے بارے میں علما سے دوسرے اقوال بھی منقول ہیں، لیکن ان میں سے اکثر پر کلام کیا گیا ہے ﴿۱۲﴾۔

اہل تورات اور کتب سابقہ کے بیان کے مطابق حضرت خضر کا نام خضر بن ملک بن فالح

ابن اشیر۔ الکامل فی التاريخ، دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ / ۱۹۷۸ء ۱۶۰:۱ البدایہ والنہایہ ۳۲۶:۱ یہ قول وہب بن منہب کا ہے۔ امام نووی نے ملک بن فالح کا نام بھی دیا ہے۔ دیکھئے: ابو زکریا محمد بن الدین یحییٰ بن شرف الدین النووی۔ تہذیب

الاسماء واللغات، دار لکتاب العلمیہ بیروت لبنان (بدون من طباعت) ۱۷:۶۱ الاصابہ ۲۸۶:۲

﴿۶﴾ ابو عبد اللہ وہب بن منہب الصغانی، یعنی نژاد تابعی، کتب سابقہ کے عالم اور ثقہ راوی ہیں۔ عبد الوہاب الشحرانی، الطبقات الکبریٰ اسماء بلوچ الانوار، مطبعہ مصطفیٰ البانی الخلیفہ واولادہ عصر، الطبعة الاولى ۱۳۷۳ھ / ۱۹۵۳ء ۴۰:۱

﴿۷﴾ شیخ کمال الدین الدمری۔ حیاۃ النبی ان الکبریٰ، مطبعہ السعاده، مصر ۱۳۳۰ھ ۲۸۳:۱

﴿۸﴾ حیاۃ النبی ان الکبریٰ ۲۸۳:۱ البدایہ والنہایہ ۳۲۶:۱ الزهر الحضر ص ۶۱

﴿۹﴾ عبد الرحمن جشی۔ مراۃ الاسرار، مکتبہ مخطوطہ کتب خانہ شلی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ ۳۵:۱

﴿۱۰﴾ مولانا یعقوب چرخئی کا مولدہ و مشاغل: عین کا نواحی موضع چرخ ہے۔ آپ نے سلوک و عرفان کے مدارج خواجہ بزرگ اور خواجہ علاء الدین عطاری کی صحبت میں طے کیے۔ علوم ظاہری و باطنی میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ غزنین کے نواح میں دفن ہیں۔ دیکھئے: مولانا عبد الرحمن جامی۔ عجائب الاس۔ مطبع نوکلشور کا پتھر ۱۹۸۳ء ۲۵۶ محمد دارالحکومہ۔ سفید الاولیاء۔ مطبع نوکلشور کا پتھر، باب دوم ۱۹۰۰ء بذیل تذکرہ ص ۸۰

﴿۱۱﴾ مولانا یعقوب چرخئی۔ رسالہ ابدالیہ، تصحیح و تعلیق و پیکشتار از محمد زبیر انجم، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان اسلام آباد ۱۳۹۸ھ / ۱۹۷۸ء فصل ۱۰ ص ۳۰ ﴿۱۲﴾ الاصابہ ۲۸۶:۲-۲۸۷

بن عابور بن شالخ بن ارفخشذ بن سام بن نوح ہے۔ اہل کتاب ہی کے ایک دوسرے قول میں آپ کا نام خضرون بن عمائل بن النصر بن العیص بن اٹحق بن ابراہیم نقل کیا گیا ہے ﴿۱۳﴾ صحیح اور مشہور قول یہ ہے کہ حضرت خضر کا اصلی نام بلیا بن ملکان بن فالخ بن عامر بن شالخ بن ارفخشذ بن سام بن نوح ہے ﴿۱۴﴾۔ امام نووی (۶۳۱-۶۷۶ھ/۱۲۳۳-۱۲۷۶ء) ﴿۱۵﴾ اور ابن قتیہ الدینوری (۲۱۳-۲۷۶ھ/۸۲۸-۸۸۹ء) ﴿۱۶﴾ نے بھی اسے بیان کیا ہے ﴿۱۷﴾۔ یہ قول قدرے تغیر کے ساتھ تفسیروں اور تاریخوں میں بھی بکثرت نقل کیا گیا ہے۔

امام نووی کا بیان ہے کہ حضرت خضر کی کنیت ابو العباس ہے ﴿۱۸﴾۔ اور اس پر سب کا اتفاق ہے ﴿۱۹﴾ مورخین اور صوفیاء نے ان کی یہی کنیت بتائی ہے ﴿۲۰﴾

﴿۱۳﴾ ابو الحسن علی بن حسین السعودی۔ مردج الذهب ومعادن الجواهر، المطبعة الازهریہ المصریہ، الطبعة الاولى ۱۳۵۳ھ
۲۰:۲۱

﴿۱۴﴾ حیاة الحیوان الکبریٰ ۲۸۳:۱، ایک قول میں ایلیا بھی آیا ہے۔ دیکھئے: البدایہ والنہایہ ۳۲۶:۱ بعض تاریخوں میں فالخ بن شالخ بن عامر کی جگہ فالخ بن شالخ بن عابر آیا ہے۔ نسب نامہ میں تورات سے صحیح کی گئی ہے۔ بعض کتابوں میں بلیا بن ملکان کی جگہ بلیا بن ملکان آیا ہے۔ ایک قول میں بلیا بن ملکان دیا ہے۔

﴿۱۵﴾ ابو زکریا یحییٰ بن شرف بن مری بن حسن الخرمی الحورانی النودی شام کے مشہور محدث اور عالم گزرے ہیں۔ انھوں نے مسلم شریف کی شرح لکھی ہے۔ دیکھئے: الامام الجافق شمس الدین الذمعی۔ تذکرۃ الحفاظ۔ دائرة المعارف العثمانیہ حیدر آباد، الطبعة الرابعہ ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء ۴:۱۲۷

﴿۱۶﴾ ابو محمد عبد اللہ بن مسلم بن قتیہ الدینوری کثیر التصانیف، ادیب اور عالم تھے۔ بغداد میں وفات پائی۔ دیکھئے: خیر الدین الزرکلی۔ الاعلام، مطبعة کوستاسو ماس و شرکا، مصر، الطبعة الثانیہ ۱۳۷۳ھ/۱۹۵۳ء، ۱۹۵۹ء ۴:۲۸۰

﴿۱۷﴾ تہذیب الاسماء واللغات ۱:۷۱
﴿۱۸﴾ ابو محمد عبد اللہ بن مسلم بن قتیہ الکاتب الدینوری۔ کتاب العارف، مرتبہ فرڈی ہنڈ و سٹیفیلڈ گونٹن ۱۸۵۰ء ص ۲۱
﴿۱۹﴾ تہذیب الاسماء واللغات ۱:۷۱، یہی قول ابن قتیہ الدینوری نے نقل کیا ہے۔ دیکھئے کتاب العارف ص ۲۱
﴿۲۰﴾ الاصابہ ۲:۲۸۸

﴿۲۱﴾ البدایہ والنہایہ ۳۲۶:۱ تاریخ الخلفاء ۱۲:۱ حیاة الحیوان الکبریٰ ۲۸۳:۱ مراۃ الاسرار ۱:۳۵

مورخین کی اکثریت کا خیال ہے کہ خضر (سبز رنگ والا) ان کا لقب ہے ﴿۲۱﴾ ایک قول میں اس لقب کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ وہ جہاں قیام کرتے ہیں، وہاں سرسبز گھاس اُگتی ہے۔ یا وہاں کی خشک گھاس سرسبز ہو جاتی ہے۔ ایک اور قول کے مطابق ان کا نام اس لیے خضر پڑا کہ وہ جہاں نماز پڑھتے ہیں اس کے ارد گرد کی زمین سبزہ زار بن جاتی ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ خضر اس وجہ سے ان کا لقب پڑ گیا کہ وہ سوکھی گھاس والی زمین پر بیٹھ گئے تو وہ سرسبز ہو گئی ﴿۲۲﴾۔ علمائے ان کے لقب کی یہی وجہ بیان کی ہے ﴿۲۳﴾ حضرت موسیٰ (۱۲۳۶)۔

۱۳۱۶ق.م) نے آپ کو سبز پچھونے پر کپڑا اوڑھے ہوئے لیٹے دیکھا تھا ﴿۲۴﴾

حضرت خضر کے والدین میں سے ایک فارسی اور ایک رومی ہیں ﴿۲۵﴾۔ حضرت سعید بن مسیب (التوفی ۱۰۵ھ/۲۳۱ء) ﴿۲۶﴾ کا بیان ہے کہ ان کی ماں رومی اور باپ فارسی ہیں ﴿۲۷﴾۔ علمائے اکثریت کا خیال ہے کہ آپ فارس سے تعلق رکھتے ہیں، بعض صوفیاء کی رائے ہے کہ حضرت خضر فارس میں شیراز سے دوفرخ دور ایک مقام پر پیدا ہوئے ہیں ﴿۲۸﴾

﴿۲۱﴾ تہذیب الاسماء واللقاب ۱: ۱۷۶، البدایہ والنہایہ ۱: ۳۲۷، حیاۃ النبی ان الکبریٰ ۱: ۲۸۳، تاریخ الخلفاء ۱: ۱۲۱
 ﴿۲۲﴾ امام بخاری، صحیح البخاری، دار احیاء التراث العربی القاهرہ ۸: ۱۳۷، ۱۹۵۸ء، کتاب بدء الخلق (باب) حدیث الخضر مع موسیٰ، الجزء الرابع ص ۱۹۰: عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال انما سمي الخضر لانه جلس علی فروع بیضا و فاذا هی تہتز من محلطفه خضراء امام ترمذی۔ جامع الترمذی، ابواب تفسیر القرآن، سورة الکہف: انما سمي الخضر لانه جلس علی فروع بیضا و فاهتزت تحته خضرًا

﴿۲۳﴾ البدایہ والنہایہ ۱: ۳۲۷، تہذیب الاسماء واللقاب ۱: ۱۷۶، حیاۃ النبی ان الکبریٰ ۱: ۲۸۳، الاصابہ ۲: ۲۸۷، مراۃ الاسرار ۱: ۳۵۱
 ﴿۲۴﴾ البدایہ والنہایہ ۱: ۳۲۷، قصص الانبیاء ۲: ۵۲۴

﴿۲۵﴾ الاصابہ ۲: ۲۸۷
 ﴿۲۶﴾ سعید بن المسیب بن حزن قرشی مخزومی کے والد اور دادا دونوں صحابی تھے۔ طویل القدر تابعی، محدث اور فقیہ تھے۔ حضرت ابو ہریرہ نے آپ کو شرف دامادی بخشا۔ زہد و تقویٰ میں بھی اپنی مثال آپ تھے۔ خلیفہ عبد الملک نے اپنے بیٹے ولید کی بیعت کا ارادہ کیا تو عامل مدینہ نے آپ کو بیعت کرنے کے لیے کہا لیکن انھوں نے انکار کر دیا۔ عامل نے کوڑے لگوائے اور قتل کی دھمکی دی مگر اس بیکرا استقلال نے ایک نہ مانی۔ لولۃ الانوار ۱: ۲۰

﴿۲۷﴾ قصص الانبیاء ۲: ۵۲۰، الاصابہ ۲: ۲۸۷
 ﴿۲۸﴾ مراۃ الاسرار ۱: ۳۵۱

حضرت خضر کے نام و نسب اور ان کے حالات کے بارے میں مختلف بیانات منقول ہیں۔ ایک بیان کے مطابق حضرت خضر حضرت الیاس کے بھائی ہیں۔ ان کے باپ بادشاہ تھے۔ حضرت الیاس نے باپ سے کہا کہ خضر کو امور سلطنت سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اگر آپ ان کی شادی کر دیں تو ممکن ہے کہ ان کا لڑکا پیدا ہو اور وہ ملک کو سنبھالے۔ بادشاہ نے ایک خوبصورت عورت سے حضرت خضر کی شادی کر دی، مگر حضرت خضر نے بیوی سے کہا کہ مجھے عورت کی حاجت نہیں ہے۔ اگر تم چاہو تو میں تمہیں رخصت کر دوں یا اگر تمہاری مرضی ہو تو میرے ساتھ اللہ کی عبادت کرتی رہو اور میری ہمراز بنی رہو۔ ان کی بیوی اس پر راضی ہو گئی۔ جب ایک سال گزر گیا تو بادشاہ نے اس عورت کو بلا کر پوچھا کہ تم دونوں جوان ہو لیکن ابھی تک کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا ہے۔ عورت نے جواب دیا کہ اولاد تو خدا کی طرف سے ہوتی ہے، چاہے تو دے، چاہے تو نہ دے۔ بادشاہ نے خضر کو حکم دیا کہ اس عورت کو طلاق دو۔ باپ کے کہنے پر انھوں نے اسے طلاق دی۔ اس کے بعد بادشاہ نے ان کی شادی ایک بچہ والی عورت سے کی۔ حضرت خضر نے اس عورت سے بھی وہی بات کہہ دی جو پہلی بیوی سے کہی تھی۔ عورت نے ان کا ساتھ نبھانے اور رازداری برتنے کا وعدہ کیا۔ جب ایک سال گزر گیا تو بادشاہ نے عورت کو بلا کر بچہ کے بارے میں سوال کیا، عورت نے جواب دیا کہ آپ کے بیٹے کو عورت کی حاجت نہیں ہے۔ بادشاہ نے حضرت خضر کو طلب کیا، تو وہ بھاگ گئے۔ بادشاہ نے ان کی تلاش میں آدمی بھیجے لیکن وہ حضرت خضر کو نہ پاسکے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت خضر نے دوسری بیوی کو قتل کیا کیونکہ اس نے ان کے راز کو فاش کیا تھا۔ اسی بنا پر وہ بھاگ گئے ﴿۲۹﴾

ایک روایت میں آیا ہے کہ معراج کی رات رسول اللہ ﷺ کو ایک مقام پر عمدہ خوشبو محسوس ہوئی، آپ نے حضرت جبرئیل سے پوچھا تو انھوں نے جواب دیا کہ یہ ایک مشاطہ، اس کے

شوہر اور اولاد کی قبر ہے۔ اس کا قصہ یوں ہے کہ حضرت خضر بنی اسرائیل کے اشراف میں سے تھے۔ ان کی گزرگاہ میں ایک راہب کا صومعہ تھا۔ راہب نے انھیں اسلام کی تعلیم دی۔ جب حضرت خضر بالغ ہوئے تو ان کے باپ نے ان کی شادی ایک عورت سے کی، حضرت خضر نے اس عورت کو بھی اسلام کی تعلیم دی اور اس سے عہد لیا کہ وہ کسی کو یہ راز نہ بتائے کہ حضرت خضر کو عورتوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اس کے بعد انھوں نے اس عورت کو طلاق دی۔ ان کے باپ نے ان کی شادی دوسری عورت سے کی۔ انھوں نے اسے بھی اسلام کی تعلیم دی اور عہد لیا کہ وہ ان کا راز فاش نہیں کرے گی لیکن اس نے حضرت خضر کے راز کو فاش کیا جب کہ پہلی عورت نے اسے چھپایا تھا۔ راز فاش ہوا تو حضرت خضر گھر سے بھاگ گئے اور سمندر کے ایک جزیرے میں پہنچے، وہاں آپ کو دو لکڑہاروں نے دیکھا۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ میں نے عزقیل کو دیکھا۔ جب اس سے پوچھا گیا کہ تمہارے ساتھ اور کس نے دیکھا ہے؟ تو اس نے دوسرے لکڑہارے کا نام بتایا۔ جب دوسرے لکڑہارے سے دریافت کیا گیا تو اس نے راز کو چھپایا۔ چونکہ ان لوگوں کی شریعت میں جھوٹ بولنے کی سزا قتل تھی اس لیے اس شخص کو قتل کیا گیا جس نے حضرت خضر کو دیکھنے کا دعویٰ کیا تھا۔ جس آدمی نے اس راز کو چھپایا تھا اس کی شادی راز چھپانے والی عورت سے ہوئی۔ یہ عورت بعد میں فرعون کی بیٹی مانکہ کی مشاطہ ہو گئی۔ ایک روز وہ مانکہ بنت فرعون کے سر میں کنگھی کر رہی تھی کہ کنگھی اس کے ہاتھ سے گر گئی۔ اس کے منہ سے بے اختیار نکلا، ”فرعون ہلاک ہو“۔ مانکہ نے یہ بددعا سن کر فرعون کو اطلاع دی۔ فرعون نے اس عورت، اس کے شوہر اور اس کے دونوں بیٹوں کو بلایا اور انہیں دین سے پھر جانے کو کہا۔ انہوں نے انکار کیا۔ فرعون نے کہا، میں تمہیں قتل کروں گا۔ انہوں نے کہا کہ اگر آپ ہم کو قتل کریں گے تو آپ کی مہربانی یہ ہوگی کہ آپ ہم کو ایک ہی قبر میں دفن کروانے کا حکم دیں۔ چنانچہ فرعون نے انھیں قتل کر کے ایک ہی قبر میں دفن کروا دیا۔ آنحضرت ﷺ کا بیان

ہے کہ میں نے اس سے عمدہ خوشبو نہیں دیکھی ہے ﴿۳۰﴾

ایک بیان میں کہا گیا ہے کہ حضرت خضر کا راز چھپانے والی عورت اس شہر کے مضافات میں ایک جگہ خدا کی عبادت کر رہی تھی کہ وہاں سے ایک مرد گزرا جس کے منہ سے ”بسم اللہ“ نکلا۔ عورت نے پوچھا ”تمہیں بسم اللہ کیسے معلوم ہوا؟“ اس نے کہا ”میں خضر کے ساتھیوں میں سے ہوں۔“ عورت نے اس کے ساتھ شادی کی اور اس کے بچے بھی ہوئے۔ بعد میں عورت فرعون کی بیٹی کی مشاطہ ہو گئی۔ ایک دفعہ اس کے ہاتھ سے کنگھی گری۔ اس نے ”بسم اللہ“ کہی۔ فرعون کی بیٹی نے کہا، رب تو میرا باپ فرعون ہے۔ عورت نے کہا نہیں، میرا ہتھارا اور فرعون کا رب اللہ ہے۔ بیٹی نے فرعون کو اطلاع دی، تو اس نے عورت کو گرم دیگ میں بھر دیا۔ جب وہ اس میں سٹ گئی تو اس کے چھوٹے بچہ نے کہا ”میری ماں صبر کر، تم حق پر ہو“ چنانچہ یہ عورت دیگ ہی میں جل کر شہید ہو گئی ﴿۳۱﴾

عبدالرحمن السہلی (۵۰۸-۵۸۱ھ/۱۱۱۴-۱۱۸۵ء) ﴿۳۲﴾ نے حضرت خضر کے مختلف ناموں کا ذکر کرتے ہوئے ایک نام ابن عامیل بن ساطین بن ارمابن خلفا بن عیسو بن اسحاق بتایا ہے۔ ان کے بیان کے مطابق ان کے والد بادشاہ تھے اور ان کی ماں فارسی تھی جن کا نام الہاء تھا۔ انہوں نے حضرت خضر کو ایک بیاباں میں جنم دیا۔ وہ قریبی بستی کے ایک شخص کے ریوڑ کی بکری کا دودھ پیتے تھے۔ ریوڑ کے مالک نے ان کی پرورش کی۔ جب جوان ہوئے تو

﴿۳۰﴾ البدایہ والنہایہ ۱: ۳۲۷

﴿۳۱﴾ البدایہ والنہایہ ۱: ۳۳۰-۳۳۱

﴿۳۲﴾ عبدالرحمن بن عبد اللہ بن احمد بن اصغ السہلی، محدث اور سیرت نگار ہیں۔ انھوں نے ”الروض لانف“ کے عنوان سے سیرت ابن اسحاق کی شرح تصنیف کی جو بعد میں آنے والے مصنفین کے لیے مشعل راہ ثابت ہوئی۔ ان کا بیان ہے کہ انھوں نے یہ کتاب ۱۲۰ کتابوں کی مدد سے تیار کی ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے اعریف والا اعلام بمآبیم فی القرآن من الاسماء والاعلام بھی تصنیف کی ہے۔ ابن حجر نے الزہر الحضر میں اعریف والا اعلام ہی کا حوالہ دیا ہے۔ السہلی کے لیے دیکھئے: معجم المؤلفین ۵: ۱۴۷۔

ان کے باپ کو صحف ابراہیم کی کتابت کے لیے کاتبوں کی ضرورت پڑی۔ ماہرین اور شرفاء جمع ہوئے۔ ان میں حضرت خضر بھی تھے۔ بادشاہ ان سے ناواقف تھے۔ ان کے حسنِ خط اور مہارت کو دیکھ کر بادشاہ نے تفتیش حال کیا تو پتہ چلا کہ وہ ان کے فرزند ہیں۔ بادشاہ نے انہیں گلے لگایا اور انہیں لوگوں کے معاملات کا ذمہ دار بنایا۔ بعد میں حضرت خضر اپنے والد سے بھاگ گئے اور گھومتے گھومتے آبِ حیات پر پہنچ گئے اور اس کا پانی پی لیا، وہ خروجِ دجال تک زندہ رہیں گے، یہی وہ شخص ہیں جنہیں دجال قتل کرے گا اور پھر انہیں زندہ کرے گا ﴿۳۳﴾

تاریخی لحاظ سے حضرت خضر کے زمانے کا تعین کرنا قدرے دشوار ہے۔ ایک قول کے مطابق حضرت خضر ایران کے بادشاہ افریدون اور ذوالقرنین کے ہم عصر رہے ہیں ﴿۳۴﴾ ایک دوسرے بیان کے مطابق حضرت خضر، حضرت ابراہیم کے ہم عصر بادشاہ ذوالقرنین کے لشکر کے آگے آگے رہتے تھے۔ لیکن حضرت ابراہیم کے دور میں وہ پیغمبر نہیں تھے بلکہ بنی اسرائیل کے بادشاہ ناشیہ بن اموص کے دور میں انہیں پیغمبری عطا ہوئی۔ ناشیہ بن اموص وہی بادشاہ ہیں جو ایرانی بادشاہ بتاسب بن لہر اسب کے ہم عصر تھے۔ تاہم یہ رائے محلِ نظر ہے کیونکہ مورخین کے بقول ناشیہ بن اموص اور افریدون کے درمیان ایک ہزار سال سے زائد زمانے کا فاصلہ ہے ﴿۳۵﴾

اہل کتاب کا کہنا ہے کہ حضرت خضر سے جس شخص نے ملاقات کی تھی وہ مشہور پیغمبر حضرت موسیٰ نہیں بلکہ ایک اور موسیٰ ہیں جس کا نام موسیٰ بن مثنیٰ بن یوسف بن یعقوب ہے اور جو حضرت موسیٰ سے پہلے گزرا ہے ﴿۳۶﴾

﴿۳۳﴾ الزمر البصر فی حال الخضر ص ۷۷-۷۸، حیاۃ النبیان الکبریٰ ۱: ۴۸۴

﴿۳۴﴾ تاریخ الطبری ۱: ۲۲۰، الکامل فی التاريخ ۱۶۰: ۱ تاریخ الخلفاء ۱۲۱: ۱

﴿۳۵﴾ تاریخ الطبری ۲۲۰: ۱ الکامل فی التاريخ ۱۶۰: ۱

﴿۳۶﴾ مروج الذهب ۲۰: ۱

مورخین اسلام کے نزدیک وہ قول اقرب الی الصواب معلوم ہوتا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ حضرت خضر، حضرت موسیٰ سے پہلے افریدون اور ذوالقرنین کے دور میں رہے ہیں، کیونکہ آنحضرت ﷺ کی حدیث کے مطابق حضرت خضر سے ملاقات کرنے والے موسیٰ تھے۔ جب حضرت موسیٰ کو گمان ہوا کہ روئے زمین پر مجھ سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں حضرت خضر کی تلاش کا حکم دیا۔ آنحضرت ﷺ امور ماضیہ و مابعد سے زیادہ واقف اور باخبر تھے، اس لیے یہ رائے صحیح ہے ﴿۳۷﴾۔ اس سے اہل کتاب کے اس قول کی تردید ہوتی ہے کہ حضرت خضر سے ملاقات کرنے والے شخص حضرت موسیٰ نہیں بلکہ موسیٰ بن نسی بن یوسف بن یعقوب تھے ﴿۳۸﴾



﴿۳۷﴾ تاریخ الطبری ۲: ۲۲۱ اکمال فی تاریخ ۱: ۱۶۱

﴿۳۸﴾ اکمال فی تاریخ ۱: ۱۶۰

ذوالقرنین اور چشمہ حیوان

حضرت خضرؑ کے سلسلے میں ذوالقرنین کا ذکر اکثر آتا ہے۔ ذوالقرنین کون تھے، ان کا زمانہ کیا تھا؟ اس سوال کے جواب میں علما مختلف الرائے ہیں۔ قرآن میں جس صالح بادشاہ کا ذکر ذوالقرنین کے لقب سے آیا ہے، بعض لوگوں کے نزدیک وہ مقدونیہ کے مشہور بادشاہ سکندر یونانی (۳۵۶-۳۲۳ ق.م) تھے۔ انہیں ذوالقرنین اس لیے کہا جاتا ہے کہ انہوں نے روم اور فارس کو اپنی مملکت میں شامل کیا تھا۔ حضرت خضر کے ساتھ سکندر کا نام بھی لیا جاتا ہے، لیکن قرآن میں جس ذوالقرنین کا نام آیا ہے، اس کے اوصاف سکندر میں کیا ہیں۔ اس کے علاوہ سکندر یونانی حضرت موسیٰ کے سینکڑوں سال بعد پیدا ہوئے ہیں، اس لیے یہ رائے بے وزن لگتی ہے۔ جن علما نے سکندر کو ذوالقرنین کہا ہے، انہوں نے بھی تصریح کی ہے کہ ذوالقرنین اکبر دوسرے بادشاہ گزرے ہیں، جو حضرت ابراہیم کے معاصر تھے۔

بعض مورخین کے مطابق ذوالقرنین دو گزرے ہیں۔ ایک کو ذوالقرنین اکبر اور دوسرے کو ذوالقرنین اصغر کہتے ہیں۔ قرآن میں جس ذوالقرنین کا ذکر آیا ہے وہ ذوالقرنین اکبر تھے جو حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے زمانے میں تھے ﴿۱﴾۔ حضرت ابراہیم نے جب براۓیج کھودا تو اردن کی ایک قوم نے زمین کا دعویٰ کیا۔ حضرت ابراہیم ذوالقرنین کے پاس مقدمہ لے گئے تو بادشاہ نے ان کے حق میں فیصلہ دیا ﴿۲﴾

﴿۱﴾ التاريخ الطبری ۲۲۰:۱ الاکمل فی التاريخ ۱۶۰:۱ تاریخ الخیس ۱۲۱:۱

﴿۲﴾ علامہ ابوالفتح احمد بن ابراہیم السعفی، قصص الانبیاء، السعفی بالعراس، اسکندریہ ۱۲۸۲ھ ص ۲۳۰

چونکہ حضرت ابراہیم کے معاصر ایران کے بادشاہ فریدون بن اٹغیان بھی رہے ہیں، اس لیے بعض مورخین کی رائے یہ ہے کہ ذوالقرنین اکبر فریدون بن اٹغیان ہی ہیں ﴿۳﴾ تاریخ انجیس کے مطابق ذوالقرنین سام بن نوح کی اولاد میں سے تھے، ان سے حضرت ابراہیم کی ملاقات ہوئی ہے۔ انہوں نے زمین کی سیاحت کی۔ حضرت خضرؑ ان کے آگے آگے رہتے تھے۔ دورانِ سیاحت وہ نہر حیات پر پہنچ گئے۔ حضرت خضرؑ نے لاعلمی میں اس کا پانی پی لیا اور ہمیشہ کے لیے زندگی پائی۔ اسی ذوالقرنین نے یاجوج و ماجوج کے مقابلہ میں دیوار کھڑی کر دی اور اسکندریہ کا شہر بسایا۔ حضرت ابن عباس (۳ ق ھ - ۶۸ ھ / ۶۱۹ - ۶۸۷ء) ﴿۴﴾ کے بقول اس کا نام عبداللہ بن ضحاک تھا ﴿۵﴾

تاریخ انجیس ہی میں سکندر یونانی کا ذکر ذوالقرنین اصغر کی حیثیت سے کیا گیا ہے۔ یہ وہی بادشاہ ہے جس نے ایران کے بادشاہ کو قتل کرنے کے بعد اس کے ملک کو قبضہ میں کیا۔ اس کی بیٹی کے ساتھ شادی کی اور روم اور فارس کے علاقوں پر ایک وسیع سلطنت قائم کی، اسی وجہ سے ذوالقرنین کہلایا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ آبِ حیات کی تلاش میں ظلمات گیا جو قطب شمالی کے متصل ہے۔ اٹھارہ دنوں تک وہاں سیر کرتا رہا۔ اس کے بعد عراق لوٹا ﴿۶﴾ ان کے علاوہ بھی تاریخ میں کم از کم تین بادشاہ ایسے گزرے ہیں جنہیں ذوالقرنین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ عصر حاضر کے بعض مفسرین کی رائے ہے کہ ایران کا مشہور بادشاہ

﴿۳﴾ تاریخ الطبری ۲۲۰:۱ اکمال فی التاريخ ۱۶۰:۱

﴿۴﴾ مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن عباس، رسول اللہ کے چچا زاد بھائی ہیں۔ آپ شعب ابی طالب میں پیدا ہوئے، طائف میں وفات پائی۔ آنحضرت ﷺ نے انھیں سینے سے لگا کر دعا کی تھی کہ اے اللہ انھیں کتاب و سنت کا علم عطا کر دے۔ آپ حبر الامۃ اور ترجمان القرآن کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ دیکھئے: تذکرۃ الحفاظ ۴۰:۱ لؤلؤ الانوار ۲۵:۱

﴿۵﴾ تاریخ انجیس ۱۱۵:۱

﴿۶﴾ تاریخ انجیس ۱۱۵:۱

خورش (۵۶۰-۵۲۹ ق.م) قرآنی ذوالقرنین کا مصداق ہے ﴿۷﴾۔ لیکن حضرت خضر کے ساتھ جس ذوالقرنین کا ذکر آتا ہے وہ شواہد کی روشنی میں سکندر یونانی یا خورش کے سوا کوئی دوسرے ذوالقرنین رہے ہیں۔

بعض مورخین اور علما کی رائے ہے کہ حضرت خضر، ذوالقرنین کے خالہ زاد بھائی تھے ﴿۸﴾۔ اس کے علاوہ وہ ان کے وزیر اور ان کے مقدمہ کے سردار تھے ﴿۹﴾۔

﴿۷﴾ مولانا ابولکلام آزاد - ترجمان القرآن، ساجیہ اکادمی، دہلی، طبع پنجم ۱۹۹۶ء، ۳: ۴۳۰-۵۴۲

﴿۸﴾ تاریخ انیس ۱۱۳:۱ مراۃ الاسرار ۳۶:۱

حیوۃ النبیان میں ذوالقرنین کے نام و نسب کے بارے میں مختلف روایات نقل کی گئی ہیں۔ ایک روایت کے مطابق ذوالقرنین کا نام اسکندر تھا۔ ان کے والد علم نجوم کے ماہر تھے، انہوں نے ایک رات اپنی بیوی سے کہا کہ مسلسل جاگنے سے میری طبیعت خراب ہوگئی ہے، میں سونا چاہتا ہوں۔ تم جاگتی رہو اور فلاں جگہ (انگی سے اشارہ کرتے ہوئے جگہ کی نشاندہی کی) سے جس وقت ایک ستارہ طلوع ہو اس وقت مجھ کو جگا دینا۔ میں اٹھ کر تمہارے ساتھ ہم بستر ہوں گا۔ تمہیں حمل ٹھہرے گا اور تمہارے بطن سے ایک ایسا لڑکا پیدا ہوگا جو زمانہ اخیر تک زندہ رہے گا۔ یہ کہہ کر وہ سو گئے۔ اتفاق یہ ہوا کہ ان کی سالی یہ بات سن رہی تھی، اس نے اپنے شوہر سے بات کہہ دی، ستارہ جب مقررہ جگہ طلوع ہوا تو سالی اپنے شوہر سے ہم بستر ہوگئی۔ وہ حاملہ ہوگئی اور حمل کی مدت گزرنے کے بعد اس کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا، جس کا نام خضر رکھا گیا ہے۔ ذوالقرنین کی والدہ آسمان کو تک رہی تھی کہ اس کا شوہر جاگ گیا۔ اس نے ستارے کو دیکھا، ستارہ اپنی جگہ سے ہٹ چکا تھا، اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ تم نے مجھے کیوں نہیں جگایا۔ اس نے جواب دیا کہ مجھ کو شرم آئی کہ اس کام کے لیے آپ کو جگاؤں، اس لیے نہیں جگایا۔ یہ سن کر شوہر بولا کہ میں چالیس سال سے اس ستارے کا انتظار کر رہا تھا، تم نے میری ساری محنت ضائع کر دی، خیر جو ہوتا تھا سو ہوا۔ ایک گھڑی کے بعد ایک دوسرا ستارہ نکلے گا، اس وقت میں تمہارے ساتھ ہم بستر ہوں گا اور اس حمل سے تمہارے بطن سے ایسا بچہ پیدا ہوگا جو سورج کے دونوں قرون کا مالک ہوگا، فی الواقع ایسا ہی ہوا۔ اس حمل سے سکندر ذوالقرنین پیدا ہوئے اور ان کی خالہ سے حضرت خضر پیدا ہوئے۔ وہ بن مہدی نے ذوالقرنین کا اصل نام سکندر اور ابن اسحاق نے ان کا اصلی نام مرزبان ابن مردوپہ اور ابن ہشام نے صعب ابن ذی مرہ الحمری دیا ہے۔ بعض علماء نے ذوالقرنین کا نام سکندر دیا ہے۔ علامہ دیمیری لکھتے ہیں کہ میر و تاریخ کی کتابوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ سکندر نام کے دو شخص الگ الگ زمانے میں گزرے ہیں، ان میں ایک حضرت ابراہیم کے ہم عصر اور دوسرے حضرت عیسیٰ کے زمانے کے قریب گزرے ہیں۔ دیکھئے حیوۃ النبیان بذیل معلاۃ، جلد دوم

﴿۹﴾ تاریخ انیس ۱۱۳:۱

ایک روایت کے مطابق ذوالقرنین اللہ تعالیٰ کے صالح بندوں میں سے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں مشرق و مغرب کی سلطنت عطا کی تھی۔ ایک فرشتہ ان کا دوست تھا، جس کا نام رفاہیل تھا۔ یہ فرشتہ ذوالقرنین سے ملاقات کرنے آتا تھا۔ ایک روز ذوالقرنین نے دوران گفتگو اس سے سوال کیا کہ مجھے آسمانوں میں فرشتوں کی عبادت سے آگاہ کیجئے۔ رفاہیل یہ سوال سن کر رو پڑا اور بولا کہ ہماری عبادت کے مقابلہ میں تم لوگوں کی عبادت ہی کیا ہے۔ آسمان میں اللہ تعالیٰ کے ایسے فرشتے ہیں جو ہمیشہ قیام میں رہتے ہیں، کبھی بیٹھتے نہیں، ایسے بھی فرشتے ہیں جو ہمیشہ سجدے میں پڑے رہتے ہیں، کبھی سجدے سے سر اٹھاتے ہی نہیں اور ایسے بھی فرشتے ہیں جو ہمیشہ رکوع میں رہتے ہیں، کبھی کھڑے ہوتے ہی نہیں، اس پر بھی یہ فرشتے پڑھتے ہیں:

ربنا ما عبدناک حق عبادتک

”اے ہمارے پروردگار، ہم آپ کی عبادت نہیں کر پائے جیسی کہ آپ کی عبادت کا حق تھا۔“

یہ سن کر ذوالقرنین روئے اور رفاہیل سے کہا، اے رفاہیل! میں چاہتا ہوں کہ میری عمر طویل ہو، تاکہ اللہ تعالیٰ کی ایسی عبادت کروں جیسا کہ اس کی بندگی کا حق ہے۔ رفاہیل نے کہا کیا واقعی تم ایسا چاہتے ہو؟ اس نے جواب دیا ”ہاں“۔ رفاہیل نے کہا ”اللہ تعالیٰ کا ایک چشمہ ہے جسے ’چشمہ حیوان‘ کہتے ہیں۔ جو اس میں سے ایک گھونٹ پانی پی لے، اسے کبھی موت نہیں آسکتی، جب تک وہ خود اللہ تعالیٰ سے موت کی درخواست نہ کرے۔“ ذوالقرنین نے رفاہیل سے پوچھا، کیا آپ وہ مقام جانتے ہیں؟ تو اس نے صرف اتنا بتایا کہ ہم آسمان میں آپس میں چرچا کرتے رہتے ہیں کہ ایک تاریک (ظلمت) مقام ایسا ہے جہاں کسی انسان یا جن کے قدم نہیں پہنچتے ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ یہ چشمہ اسی ظلمات میں ہوگا۔ ذوالقرنین نے زمین کے علماء کو جمع کر کے ان سے چشمہ حیوان کے بارے میں سوال کیا، تو انہوں نے کہا کہ ہم کو چشمہ حیوان کا علم نہیں ہے۔ ذوالقرنین نے پوچھا کہ کیا تمہیں اس کا علم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی

تاریک مقام پیدا کیا ہے؟ ان میں سے ایک عالم نے کہا کہ آپ اس کے بارے میں ہم سے کیوں سوال کرتے ہیں؟ ذوالقرنین نے اپنا مدعا بیان کیا، تو عالم نے کہا ”میں نے حضرت آدمؑ کی وصیت میں اس ظلمات یا تاریک مقام کا بیان پڑھا ہے، اور یہ مقام سورج کے طلوع ہونے کی جگہ پر ہے۔“ ذوالقرنین نے سفر کی تیاری شروع کی۔ بارہ سال تک سفر کرتے رہے اور اس کے بعد تاریک مقام کے کنارے تک پہنچے۔ وہاں رات نہیں تھی، دھواں سا اٹھ رہا تھا۔ اس نے فوج کو جمع کیا اور کہا کہ میں آگے جانا چاہتا ہوں۔ انہوں نے منع کیا، ان کے ہمراہ جو علما تھے انہوں نے بھی انہیں اس ارادہ سے باز رہنے کو کہا کہ کہیں اللہ تعالیٰ ناراض نہ ہو، لیکن ذوالقرنین نے ماننے سے انکار کیا اور چھ ہزار فوجیوں کو منتخب کیا، جن کی سواری کے لیے چھ ہزار باکرہ گھوڑیاں تیار کیں۔ خضر کو دو ہزار آدمیوں پر مشتمل مقدمہ کا سردار بنایا۔ حضرت خضرؑ آگے آگے چل پڑے۔ ذوالقرنین کے چھپانے کے باوجود حضرت خضر جانتے تھے کہ وہ کیا تلاش کر رہے ہیں۔ حضرت خضر چلتے چلتے ایک وادی تک پہنچ گئے، وہ سمجھ گئے کہ چشمہ اسی وادی میں ہے۔ انہوں نے وادی کے بالائی حصہ پر پہنچ کر اپنے ساتھیوں کو روکا اور خود آگے بڑھ گئے۔ چلتے چلتے وہ پانی کے ایک چشمے کے کنارے پہنچ گئے۔ پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ شیریں تھا۔ انہوں نے کپڑے اتارے، پانی پیا، وضو اور غسل کر کے باہر آ گئے اور کپڑے پہن کر چلے آئے۔ جب بادشاہ ذوالقرنین وہاں گیا تو اسے چشمہ نہ ملا ﴿۱۰﴾۔ یہ روایت حضرت امام جعفر صادق (۸۰-۱۲۸ھ / ۶۹۹-۷۶۵ء) ﴿۱۱﴾ نے اپنے والد سے کی ہے۔

﴿۱۰﴾ الاصابہ ۲۹۱:۲-۲۹۳ الہدایہ والنہایہ ۱۰۷:۲ حصص الانبیاء کسی بالعراق ص ۳۹۸-۴۰۰

﴿۱۱﴾ ابو عبد اللہ جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب الهاشمی المعروف بہ الصادق، خانوادہ رسالت کے چشم و چراغ، مشہور امام اور فقیہ ہیں۔ درج و پرہیز گاری اور علم و نقد میں یکتائے روزگار تھے، مدینہ منورہ میں ودقات پائی۔ دیکھیے: سفینۃ الاولیاء ص ۲۵ لؤلؤ الانوار ۳۲:۱

ایک روایت کے مطابق ذوالقرنین نے ایک کتاب میں پڑھا تھا کہ سام بن نوح کی اولاد میں سے ایک شخص چشمہ حیوان سے آب حیات پی کر ابدی زندگی پائے گا۔ چنانچہ اس نے آب حیات کی تلاش میں سفر شروع کیا، حضرت خضر اس کے وزیر اور خالہ زاد بھائی تھے۔ وہ ان کے مقدمہ الجھش پر تھے۔ وہ چشمہ حیوان تلاش کرنے میں کامیاب ہوئے، اور انہوں نے اس کا پانی پی لیا۔ ذوالقرنین ناکام رہا ﴿۱۲﴾۔ ایک اور قول کے مطابق حضرت آدم نے اپنے فرزند حضرت شیث کو وصیت کی تھی کہ زمین پر مغرب کی جانب اللہ تعالیٰ کا ایک تاریک مقام ہے اور اس میں چشمہ حیوان (عین الحیاة) ہے۔ چنانچہ ذوالقرنین کو اس وصیت کا علم ہوا تو انہوں نے مغرب کی جانب سفر کا قصد کیا ﴿۱۳﴾

کہا جاتا ہے کہ ذوالقرنین کی ملاقات اس سفر میں ایک فرشتہ سے ہوئی، اس نے ذوالقرنین کو ایک پتھر دیا، جب ذوالقرنین واپس اپنی فوج میں آیا تو اس نے علما سے اس کے بارے میں سوال کیا۔ انہوں نے اسے ترازو کے ایک پلڑے میں رکھا اور دوسرے پلڑے میں اسی پتھر کی ضخامت کے ایک ہزار پتھر رکھے، تب اس کا وزن برابر ہوا۔ حضرت خضر سے سوال کیا گیا تو انہوں نے اس پتھر پر مٹھی بھر مٹی رکھ دی، جب وزن برابر ہوا تو انہوں نے کہا کہ اس کی مثال بنی آدم کی ہے۔ جب تک وہ مٹی میں نہیں چلا جاتا، اس کا پیٹ نہیں بھرتا۔ یہ سن کر علما نے احترام و اکرام کے طور پر سجدہ کیا ﴿۱۴﴾

ابو حاتم بستانی کی بیان کی ہوئی ایک روایت میں کہا گیا ہے کہ حضرت آدمؑ کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے اپنے بیٹوں کو بلا کر کہا کہ اللہ تعالیٰ اہل زمین پر عذاب نازل

﴿۱۲﴾ تاریخ الخلفاء ۱۱۳:۱ قصص الانبیاء، المسمی بالمرائس ص ۴۰۱

﴿۱۳﴾ تاریخ الخلفاء ۱۱۳:۱

﴿۱۴﴾ البدایہ والنہایہ ۱۰۸-۱۰۷:۲ قصص الانبیاء، المسمی بالمرائس ص ۴۰۱

کرنے والا ہے، اس لیے طوفان کے دوران میری لاش کشتی میں پہاڑ پر اپنے ساتھ رکھنا۔ جب تم پہاڑ سے اتر جاؤ تو میری لاش لے جا کر سرزمین شام میں دفن کرو۔ ان کا جسد خاکی ان کی اولاد کے پاس رہا۔ جب حضرت نوحؑ مبعوث ہوئے تو انہوں نے ان کی لاش کو اپنی ولایت میں لیا۔ حضرت نوحؑ کے زمانے میں طوفان آیا تو زمین پر ایک زمانہ تک پانی رہا، جب نوحؑ طوفان ختم ہونے کے بعد بابل میں اترے تو انہوں نے اپنے تین بیٹوں سام، یافث اور حام کو وصیت کی کہ وہ حضرت آدمؑ کی لاش لے جا کر اس جگہ دفن کریں جس کے لیے حضرت آدمؑ نے وصیت کی تھی۔ انہوں نے جواب دیا، ابھی زمین ویران اور غیر آباد ہے۔ ہم لوگوں کو راستہ بھی نہیں ملے گا۔ ذرا رک جائیں تاکہ لوگ خوف سے مامون ہو جائیں، ادھر ادھر پھیل جائیں۔ شہروں کی وحشت دور ہو جائے اور زمین خشک ہو جائے، یہ سن کر حضرت نوحؑ نے ان سے کہا کہ حضرت آدمؑ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی ہے کہ جو اُن کی لاش دفن کرے گا، اس کی زندگی قیامت تک لمبی ہو۔ لاش اسی طرح رہی یہاں تک کہ حضرت خضر نے اس کے دفن کرنے کی ذمہ داری اپنے سر لی۔ انہوں نے اس لاش کو دفن کیا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں ابدی زندگی عطا کی ﴿۱۵﴾۔

اس روایت میں حضرت خضر کی ابدی زندگی کے بارے میں چشمہ حیوان یا نہر حیات کا ذکر نہیں کیا گیا ہے اور نہ ہی اس روایت میں ذوالقرنین کا نام آیا ہے، لیکن دوسری متعدد روایات میں ذوالقرنین کے ساتھ حضرت خضر کا نام آیا ہے۔ اوپر ذکر کیا گیا ہے کہ ذوالقرنین نام کے کئی بادشاہ گزرے ہیں۔ ان میں دو بادشاہوں کا نام سکندر تھا تاہم جس ذوالقرنین کے ساتھ حضرت خضر کا نام لیا گیا ہے وہ ایران کے بادشاہ خورش اور یونان کے سکندر کے علاوہ اور کوئی شخصیت ہے۔ اغلب یہ ہے کہ وہ حضرت موسیٰ سے پہلے حضرت ابراہیم کے دور میں رہے

ہیں جس کی طرف بعض مورخین نے بھی اشارہ کیا ہے۔

مشہور روایت ہے کہ حضرت خضر نے چشمہ حیوان سے آب حیات پی جس سے انہیں طویل زندگی نصیب ہوئی۔ بعض علما نے آب حیات کی روایت کو افسانوی داستان کہہ کر رد کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن آب حیات کا تذکرہ متعدد کتابوں میں آیا ہے۔



فارسی شاعری آب حیات کی تلاش

پشمہ حیوان، آب حیات اور حیات جاوداں کا تصور ادبیات مشرق و مغرب کا دلچسپ موضوع رہا ہے۔ سریانی، کلدانی، یونانی، عبرانی، عربی، فارسی، لاطینی، انگریزی، فرانسیسی اور دوسری زبانوں میں اس قصہ کو کسی نہ کسی شکل میں بیان کیا گیا ہے۔ اسلام سے پہلے اہل بابل، یہودی اور یونانی ایسی روایات سے واقف رہے ہیں جن میں آب بقا کا بیان ملتا ہے۔ تاریخ کے مختلف ادوار میں بابل، مصر، یونان اور ایران کے لوگ تہذیب و تمدن میں ایک دوسرے سے متاثر ہوتے رہے ہیں۔ اس لیے اہل ایران بھی آب بقا کے تصور سے واقف ہوئے۔ سکندر کی فتوحات کا دائرہ یونان، مصر، بابل اور ایران تک وسیع تھا، اس لیے چاروں قومیں میل جول اور آپسی روابط سے ایک دوسرے کے معتقدات و خیالات سے واقف ہوئیں۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ ان چاروں قوموں کی قدیم تاریخ کے متعدد واقعات مشترک ہیں۔ اس لیے کسی قوم کی تاریخ بیان کرتے وقت دوسری قوموں کا ذکر ناگزیر ہوتا ہے جس کی مثالیں ان کے منظوم رزمیوں میں ملتی ہیں۔

فارسی کے مشہور شاعر فردوسی (۳۲۰-۳۱۱ھ/۹۳۲-۹۰۲ء) ﴿۱﴾ نے اہل ایران کی

﴿۱﴾ ابوالقاسم حسن بن اہلق بن شرف شاہ المتخلص بہ فردوسی طوس کے مضافات میں پیدا ہوئے۔ ایران کی قدیم تاریخ "شاہنامہ" کے نام سے تصنیف کی۔ جس کا شمار دنیا کی لافانی کتابوں میں ہوتا ہے۔ فردوسی کو شاہنامہ لکھنے کا خاطر خواہ صلہ ملا اور وہ مایوسی اور پریشانی کی حالت میں وفات پا گئے۔ دولت شاہ سرقدی۔ تذکرۃ الشعراء۔ مرتبہ شیخ محمد اقبال صانی، لاہور ۱۹۳۲ء ص ۲۶ مولانا شبلی نعمانی۔ شعرا العجم، مطبع اعظم گڑھ، طبع ششم ۱۹۷۲ء ۸۴:۱

قدیم تاریخ شہرہ آفاق منظوم رزمیہ ”شاہ نامہ“ کی صورت میں لکھی ہے جس میں انھوں نے سکندر کی فتوحات کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ مشہور عام روایت کی بنا پر مصنف بھی اس کے قائل تھے کہ سکندر نے آب حیات کی تلاش میں ظلمات کا سفر کیا تھا۔ چنانچہ انھوں نے شاہ نامہ میں ”رفیق اسکندر بتاریکی بختن آب حیات“ کے عنوان کے تحت سکندر کے ناکام و نامراد سفر ظلمات کی داستان بیان کی ہے ﴿۲﴾

فردوسی کے بعد نظامی گنجوی (۵۳۳-۵۹۶ھ/۱۱۳۸-۱۱۹۹ء) ﴿۳﴾ نے اسرائیلی، یونانی اور ایرانی روایات کو ملا کر یونانی فاتح کی منظوم داستان ”سکندر نامہ“ تحریر کی۔ فردوسی کی طرح نظامی گنجوی نے بھی منچلے نوجوان فاتح کو ذوالقرنین سمجھا ہے۔ چونکہ قرآن میں ذوالقرنین کا ذکر ایک صالح، دین دار اور نیک بادشاہ کی حیثیت سے آیا ہے اس لیے فردوسی اور نظامی کو اس کی تاریخ بیان کرتے وقت وہ دقت پیش نہیں آئی جو ایک قوم پرست مورخ کو اس کی قوم پر حملہ آور اور غیر مذہبی فاتح کا ذکر کرتے وقت اکثر پیش آتی ہے اور جس کے نتیجے میں خود مورخ بھی اندرونی نفسیاتی کشمکش کا شکار ہو جاتا ہے۔

نظامی گنجوی نے اپنے پروازِ تخیل اور زور بیان کی مدد سے یونانی، یہودی اور پہلوی روایات کو ملا کر سکندر کی ایسی تصویر کھینچی ہے جس کا آب و رنگ کشور کشائی، نبوت اور حکمت کے اجزاء ترکیبی سے تیار کیا گیا ہے۔ مصنف نے سکندر کو ایک کشور کشا کے علاوہ خدا ترس، دین دار، صاحب فہم و فراست، عالم و فاضل اور حلیم و بردبار بادشاہ کے روپ میں پیش کیا ہے،

﴿۲﴾ حکیم ابوالقاسم فردوسی طوسی۔ شاہ نامہ، مطبع فتح الکرم، بمبئی ۱۳۰۶ھ، جلد سوم ص ۷۳

﴿۳﴾ ابو محمد الیاس یوسف نظام الدین نظامی گنجوی کا مولد و مضاف اور مدفن منجھ ہے۔ آپ کو انی فرخ زنجانی سے نسبت ارادت تھی۔ فارسی شاعری میں آپ کے کلام کو بے حد اہمیت حاصل ہے۔ تمام عمر سلاطین سے محنت رہتے ہوئے توکل میں زندگی بسر کی۔ خیر نظامی کے لیے مشہور ہیں۔ دیکھیے: مولوی مہدی حسین ناصری۔ ضایعہ غم الہ آباد ۱۹۸۹ء ص ۱۵۷
علامہ ابوالخیر الدین قزوینی۔ تذکرہ میکانہ تصنیف و تصحیح کلچر مجن معانی ملہران ۱۳۸۰ھ ص ۱۱ شعر العجم ۲۵۵:۱

چنانچہ انھوں نے سکندر نامہ بڑی میں فتوحات کا ذکر کر کے اگر ایک طرف اس کی جہاں گیری بیان کی ہے تو سکندر نامہ بحری میں حکماء یونان کی طرف سے پوچھے گئے سوالات کے حکیمانہ جوابات سکندر سے دلو کر بادشاہ کو اقلیم سیاست کے تاجدار کے ساتھ ساتھ بزم فکر و دانش کا مسند نشین بھی ثابت کیا ہے۔

نظامی گنجوی خود بھی ارباب حال میں شمار ہوتے ہیں اس لیے ان کی تخلیق سکندر نامہ میں اہل تصوف اپنے معانی و مفاہیم تلاش کرتے ہیں۔ سکندر نامہ بڑی میں مصنف نے سکندر کے سفر ظلمات کی داستان ”رفیق سکندر بتلاش آب حیات“ کے زیر عنوان بیان کی ہے۔

مصنف کے بیان کے مطابق روس کو فتح کر کے سکندر نے ایک روز دربار آراستہ کرایا اور مجلس منعقد کی۔ درباریوں نے مختلف ملکوں کی خاص خاص چیزوں کا ذکر کیا۔ ایک درباری نے خراسان و غور کی دولت مندی، دوسرے نے ہندوستان کے شہر قیصر کے کافور و صندل کی اور تیسرے نے خوارزم اور چین کے مشک و دیا کی تعریف کی۔ چوتھے نے ہندوستان کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ اس ملک کا ایندھن عود اور گل غیر ہے۔ دربار میں ایک بوڑھا دانشمند بھی موجود تھا۔ جب اس کے کلام کرنے کی باری آئی تو حسب دستور زمین بوسی کرنے کے بعد اس نے عرض کی کہ یہ تمام خزانے انسان کی زندگی کا ہم پلہ نہیں ہو سکتے، کیونکہ خزانے اور ان کے مالک آخر کار خاک میں چلے جاتے ہیں۔ ان تمام ملکوں سے بہتر وہ تاریکی (ظلمات) ہے جس میں آب حیات کا ایک چشمہ ہے کہ جو کوئی اس چشمہ سے پانی پئے گا وہ کبھی نہیں مرے گا۔ سکندر نے ظلمات کے بارے میں مزید تفصیلات پوچھیں تو بوڑھے نے کہا کہ قطب شمالی کے دامن میں (یا اس سے متصل) ایک تاریک علاقہ ہے جسے ظلمات کہتے ہیں۔ اسی ظلمات میں حیات بخش آب زلال کا ایک چشمہ ہے، اگر حضور کو میری باتوں کا یقین نہ آئے تو ”زیر کان کہن“ سے دریافت فرمائیں۔

بوڑھے کی باتوں سے بادشاہ کے دل میں ابدی زندگی پانے کی خواہش پیدا ہوئی، اس نے سفر کی تیاری کے بعد فوج کو کوچ کا حکم دیا۔ بیماروں اور بوڑھوں کو وہیں چھوڑا، اور تنومند نوجوانوں اور چند مقامی لوگوں کو ساتھ لے کر آگے بڑھا۔ زادراہ گھوڑوں اور بیلوں پر لاد لیا گیا۔ فوج میں شامل ایک نوجوان نے ازراہ شفقت اپنے ضعیف اور بوڑھے باپ کو زادراہ کے صندوق میں بند کر کے اپنے ساتھ لیا۔ روزانہ دو منزل کی مسافت طے کرتے ہوئے ایک ماہ بعد بادشاہ اپنے ہمراہیوں سمیت شمال کی طرف بڑھتے بڑھتے ایک مقام پر پہنچ گیا۔ جہاں دھوپ بالکل نہیں تھی۔ دن میں ہلکی سی روشنی تھی۔ جنوب کی طرف تھوڑی سی روشنی ظاہر ہوئی۔ لیکن وہ بھی جلد ہی غائب ہو گئی۔ شام کے وقت اس ”نیم روشن دیار“ کی مدھم روشنی بھی غائب ہو گئی اور ہر طرف تاریکی چھا گئی۔ اس علاقے کا دن عود کی طرح سیاہی مائل اور رات انتہائی سیاہ تھی۔ سکندر پریشان ہوا کہ اگر اس تاریکی میں سفر جاری رکھا جائے تو واپس کیسے ہونگے؟ اس کی پریشانی کا ذکر اس نوجوان فوجی نے اپنے باپ سے کیا جسے وہ بادشاہ اور ہمراہیوں کی بے خبری میں اپنے ساتھ زادراہ کے صندوق میں بند کر کے لایا تھا۔ بوڑھے نے نوجوان بیٹے کی زبانی بادشاہ کی پریشانی کا ذکر سن کر کہا کہ تاریکی میں سفر کے اختتام کے بعد واپس آنے کی صورت صرف یہ ہے کہ ایک ایسی گھوڑی لائی جائے جو پہلی دفعہ گا بھن ہو اور وہ اس مقام پر بچہ دے جہاں بادشاہ اس وقت ٹھہرے ہوئے ہیں۔ اس بچہ کا سر کاٹ کر زمین میں ڈال دیا جائے تاکہ اس کی ماں دیکھ لے، گھوڑی فوج کے ساتھ سفر میں رہے، پھر جب واپسی ہو تو اسی گھوڑی کو آگے کیا جائے، وہ سوگھ سوگھ کر اپنے بچہ کی تلاش میں اصل مقام پر واپس آئے گی۔ نوجوان نے سکندر سے جان کی امان طلب کرتے ہوئے تجویز رکھی تو اسے یہ تجویز قابل عمل نظر آئی۔

بادشاہ نے تجویز کے مطابق گھوڑی کو ساتھ لیا، فوج کے اگلے دستے پر اس نے حضرت خضر کو، جو اس کی فوج کے ساتھ تھے، ہر دار بنا کر آگے بھیج دیا۔ حضرت خضر کچھ ہی دور چل کر

اپنے ساتھیوں سے بچھڑ گئے، لیکن ہمت سے کام لے کر انہوں نے تنہا سفر جاری رکھا۔ چلتے چلتے وہ ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں ستارہ صبح کی مانند کوئی چیز چمکتی نظر آئی۔ نزدیک پہنچے تو صاف شفاف پانی کا چشمہ تھا۔ حضرت خضر بہت خوش ہوئے، انہوں نے اس میں سے پانی پی لیا اور نہایا۔ وہ جان گئے کہ سکندر اس سے محروم رہے گا، اس لیے وہ ازراہ شرم بادشاہ کے پاس واپس نہیں آئے۔ سکندر چالیس روز تک آب حیات کی تلاش میں ظلمات میں پھرتا رہا، لیکن ابدی زندگی اس کی قسمت میں نہیں تھی، چشمہ حیوان اسے نہیں ملا۔ واپسی کا ارادہ کیا تو ہاتھ غیبی نے آواز دی کہ انسان کی روزی پہلے سے مقرر ہے۔ بادشاہ نے واپسی کے وقت اسی مادیان کو آگے کیا۔ جب چلتے چلتے چالیس روز پورے ہوئے تو ظلمات سے باہر نکل آئے۔ سکندر وہاں سے ایک پتھر لایا، جب دنیا میں موجود پتھروں کے مقابلے میں اس کا وزن کیا گیا تو اتنے ہی بڑے سو پتھروں کے برابر نکلا۔ حضرت خضر وہاں سے گزر رہے تھے، دور ہی سے آواز دی کہ یہ پتھر مشیت خاک کا ہم وزن ہے ﴿۴﴾

فردوسی کا بیان ہے کہ سکندر نے حضرت خضر کو آگے روانہ کیا تو ان سے کہا ”میرے پاس دو مہرے ہیں جو تاریکی میں سورج کی طرح چمکتے ہیں، ان میں سے ایک مہرہ (شیع کا دانہ) آپ اپنے ساتھ رکھ لیں تاکہ اندھیرے میں آپ کے کام آئے، دوسرا مہرہ میرے لیے شمع راہ کا کام دے گا ﴿۵﴾۔ مشہور مفسر امام ثعلبی نیشاپوری (المتوفی ۷۲۷ھ/۱۰۳۵ء) ﴿۶﴾ کا کہنا ہے کہ ذوالقرنین نے حضرت خضر کو ایک سرخ مہرہ دیا اور کہا کہ راستہ کھوجانے کی صورت میں اسے زمین پر ڈال دینا۔ جب اس سے آواز نکلے تو کھویا ہوا شخص آواز کی سست میں چل کر اپنے

﴿۴﴾ نضای گنجوی۔ سکندر نامہ بری۔ مطبع منشی گلاب علی کھنؤ (بدون سہ مطاعت) ص ۵۱۳-۵۳۸

﴿۵﴾ شاہ نامہ، جلد سوم ص ۷۳

﴿۶﴾ ابوالساقی احمد بن محمد بن ابراہیم المعروف بہ امام ثعلبی نیشاپوری، مفسر، مقرئ، واعظ اور ادیب تھے۔ ان کی تصانیف میں

الکشف والبیان عن تفسیر القرآن اور قصص الانبیاء لمسی بالعراس مشہور ہیں۔ دیکھیے: معجم المؤلفین ۶۰:۲

ساتھیوں سے ملے، چنانچہ حضرت خضر اسی مہرہ کی مدد سے آپ حیات تک پہنچ گئے، اور اسی سے واپسی میں اپنے ساتھیوں سے ملے ﴿۷۷﴾

مفسر ثعلبی کی بیان کردہ ایک روایت کے مطابق ذوالقرنین چالیس روز تک ظلمات میں پھرنے کے بعد ایک جگہ پہنچے جہاں ایسی روشنی تھی جو سورج اور چاند کی روشنی سے مختلف تھی۔ اس جگہ کی زمین لال ریتلی اور خشک تھی۔ اس مقام پر ایک مربع فرخ پر بڑا محل تھا۔ محل میں ایک طرف سے دوسری طرف تک لوہا لگا ہوا تھا۔ ذوالقرنین محل میں داخل ہوا تو خطاف (ایک جانور) سے ملتا جلتا ایک سیاہ جانور دیکھا۔ اس کی ناک میں کیل پڑی ہوئی تھی اور اسے آسمان اور زمین کے درمیان ایک معلق زنجیر سے باندھا گیا تھا۔ جب اس نے ذوالقرنین کی آہٹ سنی تو پوچھا، تم کون ہو؟ ذوالقرنین نے جواب دیا ”میں ذوالقرنین ہوں“۔ جانور نے پوچھا ”اے ذوالقرنین تم کس طرح مجھ تک پہنچے؟“ میں تم سے چند سوال پوچھنا چاہتا ہوں۔ ذوالقرنین نے کہا ”پوچھ لو“۔ جانور نے پوچھا ”کیا دنیا میں پتھر اور پختہ اینٹوں کی تعمیرات کا رواج عام ہو گیا ہے؟“ ذوالقرنین نے جواب دیا ”ہاں“۔ جواب سن کر جانور نے پر مٹھو پھڑائے اور پھونک ماری، اس کا جسم تہائی لوہے تک پھیل گیا۔ اس نے ذوالقرنین سے پھر سوال پوچھا ”کیا دنیا میں جھوٹی گواہی عام ہو گئی ہے؟“ ذوالقرنین نے جواب دیا ”ہاں“۔ اس نے پھر پر پھڑ پھڑائے اور پھونک ماری، اس کا جسم پورے لوہے میں پھیل کر دیواروں سے لگا۔ یہ دیکھ کر ذوالقرنین خوف زدہ ہوئے۔ جانور نے کہا ”ڈرو مت، میری باتوں کا جواب دو“۔ ذوالقرنین نے کہا ”پوچھ لو، میں ضرور جواب دوں گا“۔ اس نے پوچھا ”کیا لوگوں نے لا الہ الا اللہ پڑھنا اب چھوڑ دیا ہے؟“ ذوالقرنین نے کہا ”نہیں“، جانور تہائی لوہے تک سمٹ گیا۔ اس نے پھر سوال پوچھا ”کیا لوگوں نے اب غسل جنابت کرنا ترک کر دیا ہے؟“ ذوالقرنین

﴿۷۷﴾ قصص الانبیاء المسمی بالمرأس ص ۳۹۸-۴۰۰

نے جواب دیا ”نہیں“۔ جانور جواب سن کر اپنی پہلی حالت پر لوٹ آیا، اس نے ذوالقرنین سے کہا کہ اس سیڑھی کے ذریعے محل کے اوپر جاؤ۔ ذوالقرنین ڈرتے ڈرتے اوپر چڑھے، تو اس نے وسیع چھت پر نو جوان آدمی جیسا دیکھا جو سفید کپڑوں میں ملبوس، آسمان کی طرف منہ کیے کھڑا تھا اور اس کا ہاتھ اس کے منہ میں تھا۔ جب اس نے ذوالقرنین کی آہٹ سنی تو اس نے پوچھا ”کون ہو؟“ ذوالقرنین نے جواب دیا ”میں ذوالقرنین ہوں“، اس نے کہا: ”اے ذوالقرنین قیامت قریب آگئی ہے، میں اللہ تعالیٰ کے حکم کا منتظر ہوں۔ وہ مجھے حکم دے تو میں صور پھونکوں“۔ اس کے بعد اس نے اپنے سامنے سے ایک پتھر اٹھا کر ذوالقرنین کو دیا، جب ذوالقرنین سفر سے واپس آیا تو اس پتھر کا وزن دنیا کے پتھروں کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ نکلا، لیکن جب مشیتِ خاک سے وزن کیا گیا تو برابر نکلا ﴿۸﴾

چشمہ حیوان یا آبِ حیات کی مختلف تعبیریں ملتی ہیں۔ بعض لوگوں کی رائے ہے کہ آبِ حیات صرف آخرت میں ہوگا، بعض کے نزدیک آبِ حیات کا وجود خیالی ہے۔ مگر نظامی گنجوی کہتے ہیں کہ اگر آبِ حیات کا وجود نہ ہوتا، تو کتابوں میں اس کا ذکر ہی کیوں ہوتا ﴿۹﴾

فردوسی کا بیان ہے کہ سکندر نے وہاں حضرت اسرافیل کو ہاتھ میں صور لیے ہوئے دیکھا ﴿۱۰﴾ مگر نظامی نے اسے خلاف عقل سمجھ کر یا اختصار کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے نظر انداز کر دیا ہے ﴿۱۱﴾ نظامی کا بیان ہے کہ ”رومیان کہیں“ کی اس داستان کو یوں بھی بیان کیا گیا ہے کہ حضرت خضرؑ کے ساتھ حضرت الیاسؑ تھے۔ سفر میں ایک چشمہ پر سے گزر ہوا۔ دونوں نے چشمہ کے کنارے اپنا دسترخوان بچھایا، انہوں نے کھانے کے لیے ایک نمک دی ہوئی مچھلی

﴿۸﴾ قصص الانبیاء المسمی بالسرائس ص ۳۰۰-۳۰۱

﴿۹﴾ سکندر نامہ بڑی ص ۵۳۴۔ اگر نیست آن آب در تیرہ خاک

﴿۱۰﴾ شاہ نامہ جلد سوم ص ۷۳۔ سرافیل را دید صوری بدست

﴿۱۱﴾ سکندر نامہ بڑی ص ۵۳۰۔ حدیث سرافیل و آواز صور

چراغش از ناہائیت پاک

برافراستہ سرز جای نشست

نکتم کہ راہی شد از راہ دور

ساتھ لی تھی۔ ان میں سے ایک کے ہاتھ سے مچھلی پانی میں گری، پانی کے اثر سے مچھلی زندہ ہو گئی۔ دونوں بزرگ جان گئے کہ آب حیات کا چشمہ یہی ہے، دونوں نے پانی پی لیا اور ابدی زندگی پالی۔ نظامی کا کہنا ہے کہ تعجب اس پر نہیں ہے کہ مچھلی پانی سے زندہ ہو گئی، بلکہ تعجب اس پر ہے کہ مردہ مچھلی نے چشمہ زندگی کا پتہ بتا دیا ﴿۱۲﴾۔

شاہ نامہ یا سکندر نامہ میں چشمہ بقایا آب حیات کا بیان محض فردوسی یا نظامی کی خیال آفرینی یا شاعری نہیں ہے۔ بلکہ یونانی زبان میں ایک گم نام مصنف نے سکندر کی داستان مسیح ق ۳۰۰ء میں لکھی ہے، جس میں کہا گیا ہے کہ سکندر ابدی زندگی پانے کے لیے آب حیات کی تلاش میں نکلا۔ اس کے ساتھ اس کا باورچی (Andreas) بھی تھا۔ باورچی سفر کرتے کرتے ایک چشمہ پر پہنچ گیا اور وہاں کھانا بنانے لگا۔ اس نے اپنے ساتھ نمک دی ہوئی ایک خشک مچھلی بھی لی تھی۔ وہ اس مچھلی کو پانی سے صاف کرنے لگا تو وہ زندہ ہو گئی۔ باورچی نے اس چشمہ سے پانی پی لیا اور ہمیشہ کے لیے زندگی پالی۔ سکندر نے اس چشمہ کو بہت تلاش کیا لیکن اسے چشمہ نہ ملا۔ جب اسے معلوم ہوا کہ باورچی نے اس چشمہ کا پانی پی لیا ہے تو اس کے دل میں حسد پیدا ہوا۔ اس نے باورچی کو قتل کرنے کا ارادہ کیا لیکن وہ اس کے قتل پر قادر نہ ہو سکا۔ آخر میں اس نے باورچی کی گردن میں پتھر باندھ کر دریا میں پھینک دیا جہاں اس نے سمندری دیوتا (Sea Demon) کی صورت اختیار کی ﴿۱۳﴾۔

☆☆☆

بابل کی تہذیب

حیات جاوداں کا تصور

حیات جاوداں کا تصور اہل بابل کے یہاں بھی رہا ہے۔ کھدائی کے دوران برآمد ہونے والے کتبات سے طوفانِ نوح کے بارے میں جو نئی معلومات سامنے آئی ہیں ان میں بارہ الواح پر مشتمل ایک لمبی داستان بھی شامل ہے جس کا ہیرو ارک کا بادشاہ جل جیمس (Gilgames) ہے۔ ان قدیم کتبات میں درج بعض بیانات کا زمانہ تقریباً ۲۰۰۰ ق.م۔ ۱۵۰۰ ق.م بتایا جاتا ہے ﴿۱﴾۔ داستان کے مطابق بادشاہ جل جیمس دو تہائی دیوتا اور ایک تہائی انسان تھا ﴿۲﴾۔ اس عجیب و غریب خلقت کی بنا پر کسی دوسرے انسان کے ساتھ اس کا نباہ مشکل تھا۔ اس لیے ارک کی دیوی ارورو نے ابانی جسے انکیزو بھی کہا جاتا ہے، کو پیدا کیا۔ ابانی کی ابتدائی زندگی جنگلی اور وحشی جانوروں کے ساتھ گزری۔ وہ مضبوط جسم اور غیر معمولی جنسی خواہشات کا مالک تھا۔ آخر کار وہ ایک طوائف کے جال میں آکر شہر ارک میں قیام پذیر ہوا جہاں جل جیمس کی ماں کے کہنے پر جل جیمس نے اسے اپنا ساتھی بنالیا۔

جل جیمس، ابانی کو ساتھ لے کر مشرق میں واقع ایک پہاڑ پر قیام کرنے والی دیوی اشتار، جوارک کی دیوی تھی اور جسے الامیوں نے اٹھالے جا کر سخت پہرے میں رکھا تھا، کو حاصل

Encyclopaedia of Religion and Ethics. see "art Babylonians and Assyrians" By H. Zimmern", London 1930 vol.2 p.314 ﴿۱﴾

Encyclopaedia of Religion and Ethics, New York 1913. see art. Heroes and Hero-gods (babylonian) by T.G. Pinches vol.6 p.643 ﴿۲﴾

کرنے کے لیے ایک مہم پر روانہ ہوئے۔ دونوں نے دیوی کے پہرہ دار ہمبابا کو قتل کر کے اس کا سر کاٹ لیا۔ اشتار نے اس کے بعد جل جیمس کو محبت کی پیش کش کی لیکن چونکہ اس نے بہت سے لوگوں کے ساتھ عشق کر کے انھیں تباہ کر دیا تھا اس لیے جل جیمس نے اس کی پیش کش کو ٹھکرادیا۔ اشتار نے ناراض ہو کر اپنے والدین سے شکایت کی جنہوں نے جل جیمس کو ختم کرنے کے لیے آسمان سے ایک بیل بھیجا۔ جل جیمس اور ابانی نے بیل کو ہلاک کیا۔ اس سے اشتار کو اور غصہ آیا۔ جل جیمس کو ناقابل علاج بیماری لاحق ہوئی اور ابانی بیمار ہو کر مر گیا۔ ابانی کی موت سے جل جیمس غمگین ہو گیا۔ ابانی کو دوبارہ زندہ کرنے کے لیے اس نے قدیم بزرگ اور عقل کل (Utnapeshtim) اتنا پشتم کی تلاش میں جو طوفان کا ہیرو ہے (نوح کی طرف اشارہ ہے) دریاؤں کے دہانے کی کھوج لگانے کے لیے سفر شروع کیا لیکن وہاں تک پہنچنے کا راستہ دشوار تھا۔ پہلے تو راستہ انتہائی غیر آباد اور ناہموار تھا۔ جہاں شیروں کے کچھار تھے۔ اس کے بعد مشکو کا تاریک پہاڑ (کوہ ظلمات) تھا جس کے دروازے پر دو خوفناک اژدہا نما انسان پہرہ دے رہے تھے۔ انھوں نے بڑی مشکل سے جل جیمس کو اندر جانے دیا۔ پہاڑ کے دوسری طرف پہنچ کر ساحل سمندر پر اس نے دیوتاؤں کا عجیب و غریب باغ دیکھا جہاں دیوی سیتو پردہ اوڑھے ہوئے سمندر کے تخت (ممکن ہے جزیرۃ البحر مراد ہو) پر براجمان تھی۔ سیتو نے اسے ہدایت دیں کہ وہ کس طرح اتنا پشتم تک پہنچ سکتا ہے۔ دیوی نے اسے ہدایت کی کہ ہمسایہ ملایح سے موت کا سمندر پار کرانے کو کہہ دو۔ جل جیمس نے ملایح سے ملاقات کی اور اس کی رہنمائی میں اس نے بہت سے مراحل کے بعد موت کا سمندر عبور کر کے اتنا پشتم تک رسائی حاصل کی۔ اتنا پشتم نے اسے طوفان کی تفصیلات بتائیں اور کہا کہ اسے ایمان داری کی بنا پر ابدی زندگی ملی ہے۔ آخر میں اتنا پشتم اور اس کی بیوی نے اس کی بیماری کا علاج کیا۔ اس کے بعد ملایح نے جل جیمس کو پانی میں نہلوا یا تا کہ وہ واپس چلیں۔ پانی میں جل جیمس کو خوش قسمتی

سے ایک پودا ملا جس کا پتہ اسے اتنا پشتم نے دیا تھا۔ اس پودے کی عجیب و غریب خصوصیت یہ تھی کہ اس کو کھا کر جوانی لوٹ آتی تھی اور کھانے والا ابدی زندگی پاتا تھا۔ جل جیمس نے اس جڑی کو اپنے ساتھ رکھا تا کہ ارک پہنچ کر وہ اسے کھائے، لیکن راستہ ہی میں اس سے ایک سانپ نے یہ جڑی چھین لی۔ مایوس ہو کر وہ ارک لوٹا اور شہر کی دیواروں کی دوبارہ تعمیر کا کام شروع کیا۔ آخر میں وہ Necromancy کے طریقے سے اپنے مردہ دوست ابانی کی روح سے رابطہ قائم کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے اور ابانی اسے عالم آخرت میں نیکوں اور بدوں پر گزرنے والے احوال سے آگاہ کرتا ہے ﴿۳﴾۔



Encyclopaedia of Religion and Ethics art. Hero and Hero-gods (Babylonian). By ﴿۲﴾

T.G.Pinches, New York 1913 vo.6 p.643

Encyclopaedia of Religion and Ethics art. Babylonians and Assyrians. By

H.Zimmer, New York 1930 vol.2 pp.315-316

بنی اسرائیل اور عمر جاوداں کا تصور

بنی اسرائیل میں بھی ابدی زندگی کا تصور موجود ہے۔ چنانچہ یہودیوں میں مشہور ہے کہ ایلیاہ نبی قیامت تک زندہ ہیں۔ ایلیاہ نبی خدا کے برگزیدہ رسول ہیں جنہیں اہل کتاب ایلیاہ نبی اور مسلمان حضرت الیاس کہتے ہیں۔ تورات کے مطابق جب بنی اسرائیل کا بادشاہ اخاب بن عمری ہوا ہے تو اس نے صیدانیوں کے بادشاہ آہل کی بیٹی ایزبل سے شادی کی اور جا کر بعل کی پرستش کرنے اور اسے سجدہ کرنے لگا۔ اس کے زمانے میں اللہ تعالیٰ نے جلعاد کے باشندہ ایلیاشی کو مبعوث کیا ﴿۱﴾۔ انھوں نے بادشاہ اخاب کی بعل پرستی کے خلاف تبلیغ کی اور اخاب سے کہا کہ اسرائیل کے خدا کی قسم جب تک میں نہ کہوں اس وقت تک نہ تو شبنم گرے گی اور نہ بارش ہوگی۔ تین سال تک بنی اسرائیل خشک سالی کا شکار رہے۔ تیسرے سال ایلیاہ نبی کو خدا کی طرف سے حکم ملا کہ جا کر بادشاہ اخاب سے کہو کہ بعل پرستی کو چھوڑ کر بنی اسرائیل، بعل کے ساڑھے چار سو اور یسیرت مندر کے چار سو کاہنوں کو کوہ کرمل پر جمع کر دے۔

خدا کے حکم کے مطابق جب ایلیاہ نبی بادشاہ سے ملے تو اس نے بنی اسرائیل کی مصیبت کا الزام ایلیاہ نبی پر رکھ دیا۔ لیکن ایلیاہ نبی نے اس سے کہا کہ بنی اسرائیل کی مصیبت کا سبب خود بادشاہ ہے۔ اس مکالمے کے بعد ایلیاہ نبی نے بادشاہ سے کہا کہ بنی اسرائیل کے لوگوں، بعل کے ساڑھے چار سو کاہنوں اور یسیرت کے چار سو کاہنوں کو کوہ کرمل پر اکٹھا کر دے۔ جب

﴿۱﴾ تورات، کتاب سلاطین، باب ۱۶ : ۲۹-۳۳، باب ۱۷ : ۱

بادشاہ نے ان سب کو کوہ کرمل پر اکٹھا کر دیا تو ایلیاہ نبی نے ان سب کو مخاطب کر کے کہا:

تم کب تک دو خیالوں میں ڈانو اڈول رہو گے، اگر خداوند ہی خدا ہے تو اس کے پیرو ہو جاؤ، اگر بعل ہے تو اس کی پیروی کرو ﴿۲﴾۔

قرآن حکیم میں حضرت الیاس کے ان الفاظ کو دلنشین انداز میں بیان کیا گیا ہے:

اذ قَالَ لِقَوْمِهِ الْاَتَتَّقُونَ
اَتَدْعُونَ بَعْلًا وَتَذَرُونَ
اَحْسَنَ الْخَالِقِينَ اللّٰهَ
رَبَّكُمْ وَرَبَّ اَبَايُكُمُ الْاَوَّلِينَ (وہ) معبود برحق بھی ہے، تمہارا بھی رب ہے اور
(سورۃ الطفت: ۱۲۳-۱۲۷) تمہارے اگلے باپ دادوں کا بھی رب ہے

ایلیاہ نبی بنی اسرائیل کے بادشاہ اخاب بن عمری کے زمانے میں مبعوث ہوئے۔ اخاب نے بائیس برس بنی اسرائیل پر حکومت کی، ان کا زمانہ قریباً ۸۷۵-۸۵۳ ق.م مانا جاتا ہے ﴿۳﴾۔ اخاب اور ایلیاہ نبی کے درمیان مکالمہ اور بعل پرستی کے خلاف ان کی دعوت توحید کا حال بنی اسرائیل کی تاریخ میں مفصل طور پر بیان کیا گیا ہے ﴿۴﴾۔

ایلیاہ نبی کے بارے میں جو روایات اور معتقدات بنی اسرائیل میں عام ہیں، وہ کافی حد تک ان روایات و حکایات سے ملتی جلتی ہیں، جو ہمارے یہاں حضرت خضرؑ کے بارے میں مشہور ہیں۔ بنی اسرائیل کی ایک روایت کے مطابق ایلیاہ نبی انسانی صورت میں ایک فرشتہ

﴿۲﴾ تورات، کتاب سلاطین، باب ۱۷: ۲۱

﴿۳﴾ Encyclopaedia Biblica - A dictionary of Bible, edited by T.K Cheyne and J.Sutherland Black London 1914 p.1270

﴿۴﴾ Flavius Josephus, Antiquities of Jews (Translated by William Whiston) London, Book 8 chapter 13 pp.243-247

ہیں، جن کے نہ والدین ہیں اور نہ ہی اولاد ﴿۵﴾۔ ان کی حیثیت ایک رہنما فرشتہ کی ہے، نیک لوگوں کی رہنمائی کرتے ہیں اور مصیبت کے وقت ان کی مدد کر کے انہیں مصیبت سے نجات دلاتے ہیں ﴿۶﴾۔ ایلیاہ نبی ضرورت پڑنے پر دنیا کے کسی بھی مقام پر ظاہر ہو جاتے ہیں، اس لیے انہیں جنت کا پرندہ کہا جاتا ہے ﴿۷﴾

بنی اسرائیل کے بیان کے مطابق ایلیاہ نبی کوئی بھی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ اکثر وہ عرب یا بدوی عرب کے بھیس میں ملتے ہیں ﴿۸﴾۔ ان کی موجودگی کو بے عقل جانور تک محسوس کرتے ہیں۔ چنانچہ جب کتے کہیں خوشی سے بھونکتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایلیاہ کہیں نزدیک ہی موجود ہیں ﴿۹﴾

ایلیاہ نبی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ جنت کے چوراہے پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور نیک لوگوں کو ان کے صحیح مقام تک پہنچا دیتے ہیں، سبت کے شروع ہوتے ہی گنہگاروں کو جہنم سے نکال باہر لاتے ہیں اور سبت کا دن ختم ہوتے ہی انہیں واپس جہنم میں لا کر ڈال دیتے ہیں۔ نیز گنہگار جب جہنم میں اپنے غلط کاموں کا خمیازہ بھگت چکے ہیں، تو انہیں نکال کر ہمیشہ کے لیے جنت میں پہنچا دیتے ہیں ﴿۱۰﴾

ایلیاہ نبی کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ خواب میں آ کر لوگوں کو صحیح مشورہ دیتے ہیں، انہوں نے ایک مرتبہ ایک رومی افسر کو خواب میں آ کر نصیحت کی کہ وہ اپنی جائیداد فضول خرچی

﴿۵﴾ The Jewish Encyclopaedia Art. "Elijah" New York-London 1916 vol.V p.122

﴿۶﴾ The Jewish Encyclopaedia vol.V p.123

﴿۷﴾ The Jewish Encyclopaedia vol.V p.123

﴿۸﴾ The Jewish Encyclopaedia vol.V p.123

﴿۹﴾ The Jewish Encyclopaedia vol.V p.123

﴿۱۰﴾ The Jewish Encyclopaedia vol.V p.123

میں نہ اڑائیں ﴿۱۱﴾۔ اسی طرح ایک دفعہ ایک آدمی سبت کے شروع ہونے سے پہلے شہر میں پہنچا۔ اس نے سوچا کہ سبت کی وجہ سے وہ اپنا پیسہ کسی آدمی کے پاس ایک روز کے لیے بطور امانت رکھ دے، لیکن اسے کوئی نہ ملا۔ آخر کار وہ ایک معبد میں پہنچا، وہاں اس نے ایک شخص کو عبادت کرتے ہوئے دیکھا۔ اس نے عبادت گزار کے پاس اپنا پیسہ بطور امانت رکھ دیا۔ جب سبت ختم ہوا تو وہ اپنا پیسہ لینے کے لیے اس کے پاس پہنچا لیکن وہ مگر گیا۔ غریب نو وارد جب مایوس ہو کر سو گیا تو ایلیاہ نے اسے خواب میں آکر بتایا کہ بد دیانت شخص کی بیوی سے کس طرح پیسہ وصول کیا جائے۔ جب وہ شخص بیدار ہوا تو اس نے ایلیاہ کی نصیحت پر عمل کر کے نہ صرف اپنا پیسہ وصول کیا بلکہ اس مکار کو بے نقاب بھی کیا ﴿۱۲﴾

ایلیاہ نبی بحالت بیداری بھی لوگوں سے ملاقات کرتے ہیں تاہم اگر کوئی شخص ان کے معیار پر پورا نہیں اترتا تو وہ اس کے ساتھ ملاقات نہیں کرتے۔ دو نیک بھائیوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان میں سے ایک بھائی اپنے نوکروں کو کھانے کی پہلی گردش میں شریک کرتا تھا۔ لیکن دوسری گردش میں شریک نہیں ہونے دیتا تھا، جبکہ دوسرا بھائی کھانے کی تمام گردشوں میں نوکروں کو شریک کرتا تھا۔ ایلیاہ نے پہلے بھائی کو شرف ملاقات سے محروم رکھا جبکہ دوسرے بھائی سے اکثر ملاقات کرتے رہے۔ اسی طرح ایک شخص پہلے خود کھانا کھاتا تھا۔ بعد میں اپنے مہمانوں کی مہمان داری کرتا تھا، جبکہ دوسرا شخص مہمانوں کو کھانا کھلانے کے بعد خود کھانا کھاتا۔ ایلیاہ نے پہلے شخص سے ملاقات نہیں کی، لیکن دوسرے شخص سے اکثر ملنے آیا کرتے تھے ﴿۱۳﴾

بنی اسرائیل کے بقول ایلیاہ غریب لوگوں کی حاجات پوری کرتے ہیں اور غیبی مددگار بن کر نیک لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔ ایک مرتبہ ایک غریب نیک شخص کے پاس آئے اور اس

The Jewish Encyclopaedia vol.V p.123 ﴿۱۱﴾

The Jewish Encyclopaedia vol.V p.123 ﴿۱۲﴾

The Jewish Encyclopaedia vol.V p.124 ﴿۱۳﴾

سے کہا کہ تمہاری زندگی میں خوش حالی کے چھ سال ہیں، تم یہ چھ سال ابھی لینا چاہتے ہو یا زندگی کے آخری برسوں میں خوش حالی چاہتے ہو؟ اس نے پہلے تو ایلیاہ کو کاہن سمجھ کر جواب نہیں دیا لیکن جب ایلیاہ تیسری مرتبہ اس کے پاس آئے تو اس نے اپنی بیوی سے مشورہ کر کے جواب دیا کہ ہم کو خوش حالی کے چھ سال ابھی چاہئیں۔ انہوں نے منہ سے یہ الفاظ نکالے ہی تھے کہ ان کے بچوں نے ایک خزانہ پایا، اس شخص نے خزانے کو خیرات کے کاموں میں صرف کیا۔ جب چھ سال ختم ہوئے تو ایلیاہ آئے اور کہا کہ خوش حالی کے سال ختم ہو گئے۔ اس شخص کی بیوی نے جواب دیا کہ اگر آپ کو ایسے لوگ معلوم ہیں جو ہم سے بہتر طور پر اسے خرچ کر سکتے ہیں، تو ہم سے لے کر انھیں دے دیجئے، چونکہ خدا کو معلوم تھا کہ ان لوگوں نے خوش حالی کا بہترین استعمال کیا ہے، اس لیے ان کی خوش حالی ان کے پاس رہنے دی ﴿۱۴﴾

بنی اسرائیل کی روایات کے مطابق ایک دفعہ ایلیاہ نبی سے یثوع بن لیوی ﴿۱۵﴾ نے درخواست کی کہ مجھے آپ اپنے ساتھ سفر پر لے چلیں۔ ایلیاہ نے جواب دیا کہ ہم آپ کو اس شرط پر اپنے ساتھ لے چلیں گے کہ جو کچھ آپ دیکھیں گے، اس پر آپ کوئی اعتراض نہیں کریں گے، کیونکہ میری حرکات آپ کو عجیب لگیں گی۔ یثوع بن لیوی نے شرط مان لی اور دونوں سفر پر روانہ ہو گئے۔ شام کو وہ ایک جگہ پہنچے اور ایک غریب شخص جس کے پاس صرف ایک گائے تھی، کے مہمان ہوئے۔ غریب شخص اور اس کی بیوی نے ناداری کے باوجود ان کی خوب مہمان داری کی، صبح کو جب دونوں وہاں سے روانہ ہونے لگے تو یثوع نے ایلیاہ نبی کو دعا کرتے ہوئے سنا ”اے خدا اس کی گائے ہلاک کر دے“۔ ابھی گھر سے نکلے بھی نہ تھے کہ غریب کی گائے مر گئی۔ یثوع سے رہا نہ گیا اور کہا ”کیا اس غریب کی مہمان داری کا صلہ یہی

The Jewish Encyclopaedia vol.5 pp.123-124 ﴿۱۴﴾

The Jewish Encyclopaedia "Joshu B.Levi vol.8 ﴿۱۵﴾

ہے؟“ ایلیاہ نبی نے کہا کہ تم نے وعدہ نہیں نبھایا۔ دوسرے شام کو ایک امیر کے ہاں پہنچے، اس نے نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ رات بھر دونوں بھوکے پیاسے رہے۔ صبح کو جب نکلے تو انہوں نے دیکھا کہ امیر کے گھر میں ایک دیوار گر پڑی ہے۔ ایلیاہ نے دعا کی تو خدا کے حکم سے دیوار خود بخود کھڑی ہوئی۔ یثوع نے چاہا کہ اعتراض کرے لیکن اسے شرط یاد آئی، اس لیے خاموش رہا۔ شام کو ایک شہر میں ایک یہودی عبادت خانہ میں پہنچے جو سونے اور چاندی سے سجاتھا لیکن عبادت خانہ کے متولی مسافروں کا کوئی خیال نہ رکھتے تھے بلکہ ان سے روٹی اور دوسری چیزیں چھین لیتے تھے۔ صبح جب دونوں وہاں سے روانہ ہوئے تو ایلیاہ نبی نے دعا کی کہ اے خدا ان سب کو سردار بنادے۔ یثوع بڑی مشکل سے ضبط کر سکا۔ پھر وہ ایک ایسے شہر میں پہنچے جہاں کے لوگ مہمان نواز تھے، اور نوواردوں کی میزبانی میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔ وہاں سے نکلے وقت یثوع نے سنا کہ ایلیاہ دعا کر رہے ہیں، اے خدا ان میں سے صرف ایک کو سردار بنادے۔ یثوع سے رہانہ گیا اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ اعتراض کرنے کی صورت میں اسے علیحدہ ہونا پڑے گا، اس نے سوال پوچھا اور ان تمام واقعات کے بارے میں استفسار کیا۔ ایلیاہ نبی نے جواب دیا کہ مجھ کو معلوم تھا کہ جس غریب نے ہماری مہمان داری کی ہے، اس کی بیوی کی موت قریب ہے، اس لیے میں نے خدا سے دعا کی کہ اس کی بیوی کے بدلے اس کی گائے کی جان لے۔ جس امیر نے ہماری خاطر تواضع نہیں کی، اس کے صحن میں گری دیوار کے نیچے خزانہ چھپا تھا، اگر وہ خود تعمیر کرتا تو خزانہ پاتا۔ میں نے اس کی دیوار اس لیے تعمیر کرائی تاکہ اس نالائق کے ہاتھ خزانہ نہ لگے۔ عبادت گاہ کے متولیوں کے لیے میں نے دعا کی کہ خدا ان سب کو سردار بنادے، تو یہ کوئی دعائے خیر نہ تھی بلکہ بد دعا تھی کیونکہ جس جگہ سب کے سب سردار ہوں گے وہ جگہ زیادہ دیر آباد نہیں رہے گی۔ نیز جن لوگوں کے لیے میں نے دعا کی کہ خدا ان میں سے ایک کو سردار بنادے، ان کے حق میں دعائے خیر تھی

کیونکہ وہاں لوگ امن و چین کی زندگی گزارتے ہیں جہاں صرف ایک سردار ہوتا ہے ﴿۱۶﴾ ایلیاہ نبی کے بارے میں یہودیوں میں مشہور ہے کہ یہودی خاندان میں جب بچے کے ختنہ کی تقریب ہوتی ہے تو اس میں ایلیاہ نبی ضرور موجود ہوتے ہیں۔ چنانچہ یہودیوں میں رسم ہے کہ ختنہ کے وقت بچہ کے ایک طرف ایک خالی کرسی رکھ دی جاتی ہے، ان کا عقیدہ ہے کہ ایلیاہ نبی آکر اس کرسی پر تشریف رکھیں گے۔ ختنہ کیے جانے والے بچہ کو جب سلام کیا جاتا ہے تو اس وقت ایلیاہ نبی کے نام دعوت کا بیان بھی ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ شمالی سلطنت میں ایزہیل کے اثر سے جب ختنہ کی رسم بند ہوئی تو ایلیاہ نبی نے ایک غار میں گوشہ نشینی اختیار کی اور خدا سے دعا کی کہ اسرائیل کے لوگوں نے خدا کے اجتماع کو چھوڑ دیا۔ اس وقت سے خدا نے حکم دیا کہ ختنہ کی کوئی تقریب ہو ایلیاہ نبی کی شرکت ضروری ہے ﴿۱۷﴾

یہودیوں کے ہاں ایلیاہ نبی کو نو مولود بچوں کا سرپرست بھی مانا جاتا ہے، اس لیے یہودیوں کے اس کمرے میں جہاں عورت بچہ کو جنم دیتی ہے، بھوت پریت بھگانے کے لیے ایلیاہ نبی کا استعمال ہوتا ہے ﴿۱۸﴾

مصر سے آزادی پانے کی خوشی میں یہودیوں کے یہاں عید فصح منائی جاتی ہے۔ یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ ایلیاہ نبی اس دن ہر یہودی گھر میں تشریف لاتے ہیں۔ چنانچہ ”جام ایلیاہ“ کے نام سے مشروب کا ایک زائد پیالہ کسی اجنبی کے لیے ایک طرف اٹھا کر رکھ دیا جاتا ہے کیونکہ ایلیاہ نبی کسی انجان کی شکل میں کسی بھی وقت آسکتے ہیں ﴿۱۹﴾

ایلیاہ نبی کے بارے میں یہودیوں میں مشہور ہے کہ حضرت عیسیٰ کی دوبارہ آمد سے پہلے

The Jewish Encyclopaedia vol.V p.125 ﴿۱۶﴾

Encyclopaedia of Religion and Ethics vol.7 p.694 The Jewish Encyclopaedia vol.V p.128 ﴿۱۷﴾

The Jewish Encyclopaedia vol.V pp.128-129 ﴿۱۸﴾

M.Friedlander, The Jewish Religion, London 1937 p.380 ﴿۱۹﴾

نمودار ہوں گے ﴿۲۰﴾

بنی اسرائیل کے صوفیا اور علما میں سے متعدد لوگوں نے دعویٰ کیا ہے کہ ایلیاہ نبی سے انہوں نے رہنمائی حاصل کی ہے اور بعض صوفیا نے ان سے رہنمائی کے علاوہ کتابیں تک اخذ کی ہیں، بعض لوگوں نے یہاں تک دعویٰ کیا ہے کہ ایلیاہ نبی کے ساتھ ان کی دوستی ہے۔ کچھ لوگ ایسے ہیں جن کے بیان کے مطابق ایلیاہ نبی ان کی درسگاہ میں حاضر ہوتے تھے۔ بہت سے لوگوں کو انہوں نے خواب میں آکر اطلاع دی کہ ان کا لڑکا پیدا ہوگا ﴿۲۱﴾

یہودیوں کا عام خیال ہے کہ ایلیاہ نبی جنگلوں اور صحراؤں میں مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتے ہیں، بعض لوگوں کے بقول یہودیوں میں Wandering Jew کا تصور اسی خیال پر مبنی ہے۔ ایک قول کے مطابق یہ یروشلم کے اس نعلین ساز کی خیالی صورت ہے، جس نے اس وقت حضرت عیسیٰ پر طعن کیا تھا، جب وہ صلیب کی طرف لے جائے جا رہے تھے۔ اس پر حضرت عیسیٰ نے کہا تھا کہ تم اسی طرح رہو جب تک میں واپس آ جاؤں ﴿۲۲﴾

جیسا کہ اوپر کہا گیا کہ دوامی زندگی یا حیات جاوداں کا تصور سب سے پہلے اہل بابل کے یہاں ملتا ہے۔ جل جیمس کی مہم میں حضرت نوح کے زمانے میں آئے طوفان کا ذکر موجود ہے۔ جل جیمس کی منظوم داستان میں کہا گیا ہے کہ اس علاقہ میں برائیاں پھیل گئی تھیں، اس لیے دیوتا انسان سے ناراض ہوئے۔ انہوں نے انسانوں کی آبادی کو تباہ کر دینے کا قصد کیا مگر نزول عذاب سے پہلے اتنا پشیم کو ایک کشتی بنانے کا حکم دیا۔ جب اس نے کشتی بنانے کا کام مکمل کیا تو دیوتاؤں نے حکم دیا کہ وہ اس میں سونے چاندی، جانوروں، رشتہ داروں اور عزیزوں کو سوار

The Jewish Religion p.229 ﴿۲۰﴾

The Jewish Encyclopaedia vol.V pp.125-126 ﴿۲۱﴾

Encyclopaedia of Religion and Ethics vol.7 p.694

The Jewish Encyclopaedia, see "Wandering Jew" vol.12 p.462 ﴿۲۲﴾

کر دے۔ بعد ازاں ایک طوفان آیا اور خوفناک گرج اور بجلی کے ساتھ زبردست بارش ہونے لگی۔ چھ دن اور چھ رات اسی طرح بارش ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ پورا علاقہ زیر آب آ گیا۔ اتنا پشتم کی کشتی بہتی ہوئی جبل نصیر (دریائے دجلہ اور موصل کے مشرق میں زاب نامی ندی کے قریب واقع ہے) سے جا کر لگی۔ ساتویں دن جب بارش کا سلسلہ تھم گیا تو اتنا پشتم نے ایک فاختہ اڑائی جو چکر کاٹ کر واپس کشتی میں آگئی جس سے اندازہ ہوا کہ پانی ابھی نہیں اترتا ہے، اس کے بعد کوئے کو اڑایا گیا، وہ واپس نہیں آیا ﴿۲۳﴾۔ جل جیمس کی منظوم داستان اور دوسرے کتبات میں بتایا گیا ہے کہ اتنا پشتم اور اس کی بیوی کو حیات ابدی عطا کی گئی۔

طوفان کے بارے میں یہ تفصیلات مسلمانوں کی روایات سے بہت حد تک ملتی جلتی ہیں۔ اگرچہ دونوں میں بعض اختلافات بھی موجود ہیں۔

بابلی، اسرائیلی، یونانی اور مسلم روایات میں جو اختلافات ہیں، وہ یہ ہیں:

(۱) جل جیمس، افریدون بن اثغیان، ایلیا، بلیا بن ملکان، سکندر، انڈرلیس، ذوالقرنین، موسیٰ، خضر کے نام ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

(ب) افریدون بن اثغیان اور اسکندر کا لقب ذوالقرنین آیا ہے۔ جل جیمس اس لقب سے مشہور نہیں ہے۔ بلیا بن ملکان کا لقب خضر ہے، انڈرلیس کا لقب معلوم نہیں ہے۔

(ت) جل جیمس کی منظوم داستان میں حیات ابدی کا سبب یا تو خدا کی اطاعت گزاری کہا گیا ہے، جیسا کہ اتنا پشتم نے خود کہا ہے یا ایک جڑی جس کا پتہ اتنا پشتم نے اسے بتایا تھا۔

﴿۲۳﴾ مورس یو کا پتہ۔ پائل قرآن اور سائنس، اردو ترجمہ از شاہ اللہ صدیقی، دہلی اشاعت اسلام سوم ۱۹۸۵ء۔ حواشی صفحات ۲۸۵-۲۸۷ میں فاضل مترجم نے سر لیونارڈ وولے کی کتاب Excavations at Ur سے اس کا تذکرہ کیا ہے۔ فاضل مترجم کی یہ فاضلانہ کاوش لائق تحسین ہے۔ اردو میں ابھی تک حفراتی شہادتوں سے استہداد کرنے کا ذوق نایاب نہ سہی کیا ہی ضرور ہے۔ موجودہ دور میں اس کی زیادہ ضرورت ہے کہ مذہب کی ترجمانی میں جملہ دستیاب شواہد کو کام میں لا کر بات کو باورن بنایا جائے۔

حضرت خضر: تحقیق کی روشنی میں

یہودیوں کے یہاں بھی ایلیاہ نبی کو اسی وجہ سے حیات ابدی ملی ہے۔ یونانیوں اور مسلمانوں کی روایات میں کہا گیا ہے کہ ابدی حیات کا باعث چشمہ حیوان کا پانی تھا۔ البتہ ابو حاتم نے حیات ابدی کا سبب حضرت آدم کے نعش کی تدفین بتایا ہے۔

(ث) جل جیمس کی منظوم داستان میں بتایا گیا ہے کہ اس نے اپنے مردہ دوست کو زندہ کرنے کے لیے سفر شروع کیا تھا جب کہ یونانیوں اور مسلمانوں کی روایات کے مطابق ذوالقرنین نے خود اپنی زندگی کے دوام کے لیے آب حیات کی تلاش شروع کی تھی۔ چاروں قوموں کی روایات میں مشترک نکات یہ ہیں:

- (۱) حیات جاوداں کا تصور چاروں قوموں کے یہاں موجود ہے۔
- (۲) یہودیوں کے سوا باقی تین قوموں کی روایات میں آیا ہے کہ ابدی زندگی کی تلاش کرنے والا بادشاہ تھا اور اسے دشوار گزار مراحل سے گزرنا پڑا تھا۔
- (۳) تینوں قوموں (بالیوں، یونانیوں اور مسلمانوں) کی روایات میں کہا گیا ہے کہ ابدی زندگی کی تلاش کرنے والا بادشاہ ناکام ہو کر لوٹا۔

- (۴) بالیوں، یونانیوں اور مسلمانوں کی روایات میں سفر سے ناکام واپسی کے بعد دیواروں کی تعمیر کا ذکر آتا ہے۔ جل جیمس واپس آ کر ارک کی دیواروں کی تعمیر کا کام مکمل کر دیا تھا، ذوالقرنین یا سکندر کے بارے میں سدیاجون و ماجون یا سد سکندری کا ذکر ملتا ہے۔
- (۵) جل جیمس نے اتنا پیش قدمی تک پہنچنے کے لیے ایک ملاح کی رہنمائی حاصل کی تھی۔ ذوالقرنین کے ہمراہ حضرت خضر اور سکندر کے ہمراہ اس کا باورچی تھا۔ یہ بات تینوں میں مشترک ہے کہ بادشاہ تہا نہیں تھا۔

- (۶) یہودیوں کو چھوڑ کر باقی تینوں قوموں کی روایات میں پانی کا ذکر آتا ہے۔ جل جیمس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ملاح نے بادشاہ کو نہانے کی ترغیب دی اور وہیں اس کو وہ

جڑی مل گئی۔ یونانیوں میں انڈریس اور مسلمانوں میں حضرت خضر کے نہانے کا ذکر ملتا ہے۔
 (۷) جل جیمس کی منظوم داستان میں اتنا پشتم کہتے ہیں کہ انہیں خدا کی اطاعت گزاری کی بنا پر حیات ابدی نصیب ہوئی ہے۔ مسلمانوں کی ایک روایت میں بتایا گیا ہے کہ حضرت خضر کو ابدی زندگی اس بنا پر ملی کہ انہوں نے حضرت آدم کے جسد خاکی کو دفن کرنے کا فرض انجام دے کر رضائے الہی پائی۔

(۸) جل جیمس کی منظوم داستان میں تاریک پہاڑ کا ذکر موجود ہے۔ ذوالقرنین اور سکندر کو ظلمات میں دکھایا گیا ہے۔ یعنی یونانی اور مسلم روایات میں ظلمات کا ذکر آیا ہے۔
 (۹) جل جیمس کی داستان میں سیتو نام کی دیوی کو تخت سمندر پر براجمان بتایا گیا ہے۔ مسلمانوں کی روایات میں جزیرۃ البحر کا ذکر آتا ہے۔

(۱۰) جل جیمس کی داستان میں اتنا پشتم دریاؤں کے دہانے پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ مسلمانوں کی روایات میں ”مجمع البحرین“ کا بیان ہے۔

(۱۱) مسلمانوں کی روایات میں بتایا گیا ہے کہ اس صالح بندہ کا نام خضر ہے، جل جیمس کی داستان میں اتنا پشتم کا لقب خستر، زیو ستراس (Khasisatra, Xisouthro) دانائے کل ہے۔ اہل بابل کی روایات میں کہا گیا ہے کہ اتنا پشتم جل جیمس کے اجداد میں سے ایک بزرگ تھے۔ مسلمانوں کی روایت میں آیا ہے کہ حضرت خضر حضرت نوح کی نسل سے تھے، اور دونوں کے درمیان چند پشتوں کا فاصلہ ہے۔

(۱۲) یونانی اور مسلم روایات میں آیا ہے کہ مچھلی پانی کے اثر سے زندہ ہو گئی۔

(۱۳) یہودیوں اور مسلمانوں کی روایات میں کئی باتیں مشترک ہیں مثلاً مسلم مورخین کے ایک قول میں آیا ہے کہ خضر کا نام ایلیاہ تھا لیکن چونکہ مسلمانوں میں حضرت الیاس کے بارے میں بھی مشہور ہے کہ وہ بھی زندہ ہیں اس لیے حضرت خضر کے اصلی نام بلیا کو ایلیاہ

بنانے کی ضرورت نہیں، جس روایت میں خضر کا نام ایلیاہ بتایا گیا ہے وہ اس لیے بھی قابل اعتبار نہیں کہ حضرت خضر کی ملاقات حضرت موسیٰ سے ہوئی تھی، جبکہ ایلیاہ نبی حضرت موسیٰ کے کئی سو سال بعد مبعوث ہوئے ہیں۔ البتہ یہودیوں میں حضرت الیاس کے بارے میں جو روایات ملتی ہیں، وہ صوفیا میں بھی مشہور ہیں۔

فریڈ لینڈر (Friedlander) نے لکھا ہے کہ مسلمانوں نے خضر کا تصور یہودیوں سے لیا ہے۔ لیکن مسلمانوں کی روایات یہودیوں کے مقابلہ میں اہل بابل کی روایات سے زیادہ مماثلت رکھتی ہیں۔ عراق میں کھدائی کے دوران کلدانی اور سیریائی کتبات سے بھی مسلمانوں کی روایات کی تائید ہوتی ہے بلکہ کلدانی، یونانی اور مسلم روایات میں کئی باتیں مشترک ہیں۔ ہاں چونکہ مسلمان حضرت الیاس کے زندہ ہونے کے قائل ہیں اس لیے حضرت الیاس کے متعلق متعدد روایات اور ان کی ابدی زندگی کا تصور دونوں قوموں میں مشترک ہے۔ علاوہ ازیں دونوں قوموں میں مشہور ہے کہ حضرت الیاس خشکی، صحرا اور بیاباں میں لوگوں کی رہنمائی کرتے ہیں، جبکہ حضرت خضر کے بارے میں اکثر مسلمانوں کا خیال ہے کہ وہ سمندری سفر کرنے والوں کی رہبری کرتے ہیں۔

بابل کے بادشاہ نبٹ نصر ثانی (نبوکد نصر Nebuchad Nessar — ۶۰۵-۵۶۲ ق. م) نے ۵۹۸ ق. م میں مصر کے یہودیوں کو گرفتار کیا، اور انہیں بابل لے گیا۔ ۵۸۷ ق. م میں یروشلم کے گورنر نے بغاوت کی تو نبٹ نصر نے دوبارہ حملہ کیا۔ بیت المقدس کو فتح کیا۔ ہیکل سلیمانی میں آگ لگا دی، تورات کو نذر آتش کیا اور یہودیوں کو گرفتار کر کے بابل جلا وطن کر دیا۔ جب ایران کے بادشاہ سائرس (۵۶۰-۵۲۹) جسے کورس، خورش، گوروش اور ککسر د کے نام سے بھی جانا جاتا ہے، نے بابل پر قبضہ کر کے یہودیوں کو واپس لوٹنے کی اجازت دی تو وہ اہل بابل کی غلامی سے آزاد ہو کر دوبارہ فلسطین گئے، اس کے بعد سکندر کے زمانے میں

یونانیوں سے ان کا میل جول بڑھا۔ اہل بابل کے تصورات سے یہودی متاثر ہوئے اور بابلیوں اور یہودیوں کے تصورات سے یونانی بھی واقف ہوئے۔ ایران بھی بابل، بنی اسرائیل اور یونان سے مربوط رہا ہے، اس لیے اہل ایران بھی ان کے خیالات سے آگاہ ہوئے۔ یہ دوسری بات ہے کہ چاروں قوموں کی روایات میں جزوی اختلافات ہیں۔ مرد زمانہ سے خود ایک ہی قوم کی تاریخی و تہذیبی روایات میں تغیر و تبدل ہوتا رہا ہے۔ پھر ایک قوم کی روایات جب دوسری قوم میں راہ پاتی ہیں تو خود اس قوم کے مزاج و ماحول اور زبان و تہذیب میں کچھ نہ کچھ تبدیلی ہو جاتی ہے، اگر اسے مد نظر رکھا جائے تو ابدی زندگی کے تصور کے متعلق چاروں قوموں کی روایات میں اختلافات چنداں اہمیت کے حامل نہیں۔

فردوسی اور نظامی گنجوی کے بیان سے بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ یہ محض شاعرانہ خیال آفرینی ہے۔ حالانکہ دوسری قوموں کی روایات کو دیکھتے ہوئے فردوسی اور نظامی نے کوئی خلاف عقل بات بھی نہیں کہی ہے۔ نظامی نے ظلمات کو قطب شمالی کے متصل بتایا ہے۔ انھوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ وہاں دن میں ہلکی روشنی تھی اور رات بالکل تاریک تھی۔ قطب شمالی کے بارے میں عام طور پر معلوم ہے کہ وہاں سال کے چھ مہینوں میں سورج کی روشنی برائے نام ہوتی ہے اور دن میں بھی تقریباً اندھیرا رہتا ہے، نظامی گنجوی شاعر ہیں لیکن محدثین اور مورخین بھی کہتے ہیں کہ ذوالقرنین نے حضرت خضر کی رہنمائی میں قطب شمالی کا قصد کیا تھا، اس لیے حیات خضر کے تصور کو صرف اس لیے رد نہیں کیا جاسکتا کہ اسے فردوسی اور نظامی نے بیان کیا ہے، جن کا گناہ صرف یہ تھا کہ دونوں قادر الکلام شاعر تھے۔



قرآن حکیم اور حدیث رسولؐ

حضرت خضر اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا واقعہ

قرآن حکیم میں حضرت موسیٰ کا واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے:

”... اور جب موسیٰ نے اپنے شاگرد سے کہا کہ جب تک میں دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ نہ پہنچ جاؤں، بیٹے کا نہیں خواہ برسوں چلا رہوں، جب ان کے ملنے کے مقام پر پہنچے تو اپنی پھلی بھول گئے تو اس نے دریا میں سرنگ کی طرح اپنا راستہ بنایا، جب آگے چلے تو (موسیٰ نے) اپنے شاگرد سے کہا کہ ہمارے لیے کھانا لاؤ۔ اس سفر سے ہم کو بہت تھکان ہو گئی ہے۔ (اُس نے) کہا کہ بھلا آپ نے دیکھا کہ جب ہم نے پتھر کے پاس آرام کیا تھا تو میں پھلی (وہیں) بھول گیا اور مجھے آپ سے اس کا ذکر کرنا شیطان نے بھلا دیا اور اس نے عجب طرح سے دریا میں اپنا راستہ لیا (موسیٰ نے) کہا یہی تو (وہ مقام) ہے جسے ہم تلاش کرتے تھے، تو وہ اپنے پاؤں کے نشان دیکھتے دیکھتے لوٹ گئے۔ (وہاں) انہوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ دیکھا جس کو ہم نے اپنی رحمت سے (یعنی نبوت یا نعت ولایت) نوازا تھا اور اپنے پاس سے علم بخشا تھا۔ موسیٰ نے ان سے (جن کا نام خضر تھا) کہا کہ جو علم (خدا کی طرف سے) آپ کو سکھایا گیا ہے، آپ اس میں سے مجھے کچھ بھلائی (کی باتیں) سکھائیں تو میں آپ کے ساتھ رہوں۔ (خضر نے) کہا کہ تم میرے ساتھ رہ کر صبر نہ کر سکو گے اور جس بات کی تمہیں خبر ہی نہیں، اس پر صبر بھی کیونکر کر سکتے ہو؟ (موسیٰ نے) کہا خدا نے چاہا تو آپ مجھے صابر پائیے گا، اور میں آپ کے ارشاد کے خلاف نہیں کروں گا۔ (خضر نے) کہا اگر تم میرے ساتھ رہنا چاہو تو (شرط یہ ہے) مجھ سے کوئی بات نہ پوچھنا جب تک میں خود اس کا ذکر تم سے نہ کروں تو دونوں چل پڑے، یہاں تک کہ جب کشتی میں سوار ہوئے تو (خضر نے) کشتی کو پھاڑ ڈالا (موسیٰ نے) کہا کیا آپ نے اس کو اس لیے پھاڑا ہے کہ سواروں کو فرق کر دیں؟ یہ تو آپ نے بڑی عجیب بات کی۔ (خضر نے) کہا کہ میں نے نہیں کہا تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہ کر سکو گے۔ (موسیٰ نے) کہا

جو بھول بھل سے ہوئی اس پر مواخذہ نہ کیجیے اور میرے معاملہ میں مجھ پر مشکل نہ ڈالئے۔ پھر دونوں چلے یہاں تک کہ (رستے میں) ایک لڑکا ملا تو (خضر نے) اسے مار ڈالا (موسیٰ نے) کہا کہ آپ نے ایک بے گناہ شخص کو (ناحق) بغیر قصاص کے مار ڈالا۔ آپ نے بُری بات کی۔ (خضر نے) کہا کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہیں کر سکو گے۔ انہوں نے کہا اگر میں اس کے بعد کوئی بات پوچھوں تو مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیے گا۔ آپ میری طرف سے (عذر کے قبول کرنے میں) عانت کو پہنچ گئے۔ پھر دونوں چلے یہاں تک کہ ایک گاؤں والوں کے پاس پہنچے اور ان سے کھانا طلب کیا۔ انہوں نے ان کی ضیافت کرنے سے انکار کیا۔ پھر انہوں نے وہاں ایک دیوار دیکھی جو گرا چاہتی تھی۔ خضر نے اس کو سیدھا کر دیا۔ (موسیٰ نے) کہا کہ اگر آپ چاہتے تو اس کا معاوضہ لیتے۔ (خضر نے) کہا کہ اب مجھ میں اور تجھ میں علیحدگی ہے۔ جن باتوں پر تم صبر نہ کر سکتے ان کا بھید بتائے دیتا ہوں۔ وہ کشتی غریب لوگوں کی تھی جو دریا میں محنت کر کے گزارہ کرتے تھے۔ ایک بادشاہ ہر ایک کشتی کو زبردستی چھین لیتا تھا۔ میں نے چاہا کہ اسے عیب دار کروں تاکہ وہ اسے غصب نہ کرے۔ اور وہ جولا کا تھا اس کے ماں باپ دونوں مومن تھے۔ ہمیں اندیشہ ہوا کہ وہ بڑا ہو کر ان کو سرکشی اور کفر میں نہ پھنسا دے تو ہم نے چاہا کہ ان کا پروردگار اس کی جگہ ان کو اور بچہ عطا فرمائے جو پاک طینی اور محبت میں اس سے بہتر ہو اور وہ جو دیوار تھی وہ دو تیم لڑکوں کی تھی جو شہر میں رہتے تھے۔ اس کے نیچے ان کا خزانہ مدفون تھا اور ان کا باپ ایک نیک بخت تھا تو تمہارے پروردگار نے چاہا کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائیں اور اپنا خزانہ پالیں۔ یہ تمہارے پروردگار کی مہربانی ہے، یہ کام میں نے اپنی طرف سے نہیں کیے۔ یہ ان باتوں کا راز ہے جن پر تم صبر نہ کر سکتے۔“ (الکہف: ۸۲ تا ۹۰)

حضرت خضر اور حضرت موسیٰ کی ملاقات کی تفصیلات صحیح احادیث میں منقول ہیں۔ آنحضرت ﷺ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کے سامنے کھڑے تقریر کر رہے تھے۔ ایک شخص نے سوال کیا کہ سب سے بڑا عالم کون ہے؟ حضرت موسیٰ نے جواب دیا: ”سب سے بڑا عالم میں ہوں۔“ اللہ تعالیٰ کو حضرت موسیٰ کا جواب پسند نہ آیا کیونکہ انہوں نے علم کو خدا کی طرف منسوب نہیں کیا۔ اس لیے حضرت موسیٰ پر وحی بھیجی کہ میرے بندوں میں سے ایک بندہ مجمع البحرین میں ہے، وہ آپ سے زیادہ عالم ہے۔ حضرت موسیٰ نے عرض کی۔ میرے اللہ ان سے میری ملاقات کس طرح ہو سکتی ہے؟ حکم ہوا کہ اپنے ساتھ زنبیل میں ایک (تلی ہوئی) مچھلی رکھ لو (اور سفر کرو) جس جگہ وہ مچھلی گم ہو جائے، وہیں ان سے آپ کی ملاقات ہوگی۔ پس انہوں نے

اپنے خادم یوشع بن نون کو ساتھ لیا اور اپنے ساتھ زنبیل میں مچھلی لی (چلتے چلتے جب مجمع البحرین میں) ایک پتھر کے پاس پہنچے تو دونوں پتھر پر سر رکھ کر سو گئے۔ اتنے میں مچھلی زنبیل سے پھڑک کر نکلی اور دریا میں سرگ بنانی چلی گئی، اس سے حضرت موسیٰ اور ان کے خادم کو بڑا تعجب ہوا (لیکن موسیٰ یہ نہ سمجھے کہ یہ وہی مچھلی ہے جو زنبیل میں تھی)۔ خیر (صبح اٹھ کر) پھر چل دیئے اور ایک شبانہ روز مزید سفر کیا (تیسرے روز) جب صبح ہوئی تو حضرت موسیٰ نے اپنے خادم سے فرمایا: ”ہم تو اس سفر سے بہت تھک گئے، اب کھانا لے آؤ“ حضرت موسیٰ کو اس وقت تک تھکان نہیں ہوئی تھی جب تک وہ مقرر مقام سے آگے نہیں بڑھے تھے، بلکہ اس وقت انھیں تھکان محسوس ہوئی جب وہ اس مقام سے آگے بڑھے۔ خادم نے کہا: کیا بتاؤں جب ہم اس پتھر کے پاس پہنچے تو میں مچھلی وہاں بھول گیا (اور آپ سے میں نے اس کا تذکرہ نہ کیا)۔ حضرت موسیٰ نے فرمایا: ”اسی کی تو ہم کو تلاش تھی“ چنانچہ اُلٹے پاؤں قدموں کے نشان تلاش کرتے کرتے پتھر تک پہنچے کہ ایک شخص کو کپڑے میں سر لپیٹے ہوئے دیکھا۔ (یہ خضر تھے)۔ حضرت موسیٰ نے سلام کیا۔ حضرت خضر نے کہا ”آپ کے ملک میں سلام کا رواج کہاں ہے؟“ حضرت موسیٰ نے کہا ”میں موسیٰ ہوں“۔ حضرت خضر نے کہا ”کیا تم بنی اسرائیل والے موسیٰ ہو؟“ حضرت موسیٰ نے کہا ”جی ہاں“ کیا میں اس شرط پر آپ کے ہمراہ چل سکتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے جو علم آپ کو عطا فرمایا ہے اس کا کچھ حصہ مجھ کو بھی سکھلا دیں۔ حضرت خضر نے کہا ”آپ میرے ساتھ صبر نہ کر سکیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص علم کا وہ حصہ مجھے عطا فرمایا ہے، جو آپ کو نہیں دیا اور آپ کو وہ علم عنایت کیا ہے جس سے میں ناواقف ہوں۔ حضرت موسیٰ نے کہا: ”ان شاء اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے۔ میں آپ کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کروں گا۔“

دونوں دریا کے کنارے کنارے چل دیے کیوں کہ کشتی موجود نہ تھی۔ ادھر سے ایک کشتی کا گزر ہوا، انھوں نے کشتی والوں سے سوار ہونے کے متعلق بات چیت کی۔ حضرت خضر کو لوگوں نے پہچان لیا، اس لیے بغیر کرایہ لیے دونوں کو سوار کر لیا (جب دونوں کشتی میں سوار ہو گئے) تو انھوں نے دیکھا کہ ایک چڑا کشتی کے کنارے پر بیٹھا اور اس نے دریا سے دو ایک چوٹ پانی پی لیا۔ یہ دیکھ کر حضرت خضر نے حضرت موسیٰ سے کہا ”میرے اور تمہارے علم سے علم الہی

میں اتنی ہی کمی ہو سکتی ہے جتنی کہ چڑے کے ایک چونچ پانی سے سمندر میں ہو گئی۔“ (کشتی چل دی) تو خضر نے کشتی کا ایک تختہ توڑ کر نکال دیا۔ حضرت موسیٰ نے کہا ”ان لوگوں نے تو کراہیہ کے بغیر ہم کو سوار کیا اور آپ ان کی کشتی کو توڑ کر سب لوگوں کو غرق کرنا چاہتے ہیں۔“ حضرت خضر نے کہا ”کیا میں نے آپ کو پہلے ہی نہیں بتایا تھا کہ میرے ساتھ صبر نہیں کر پائیں گے۔“ حضرت موسیٰ نے کہا: (بے شک) آپ میری لغزش پر گرفت نہ کریں اور میرے کام میں دشواری پیدا نہ کریں (یعنی میں بھول گیا تھا آپ معاف کریں)۔ یہ حضرت موسیٰ کی پہلی فروگذاشت تھی۔ (کشتی سے اتر کر) دونوں پھر چل دیئے۔ راہ میں ایک لڑکا ملا جو اور بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ حضرت خضر نے اوپر سے اس کا سر پکڑ کر گردن اکھاڑ لی۔ حضرت موسیٰ نے کہا تم نے ایک بے قصور معصوم جان کو قتل کیا۔ حضرت خضر نے کہا ”کیا میں نے آپ سے پہلے ہی نہیں کہہ دیا تھا کہ آپ سے میرے ساتھ نہیں رہا جائے گا۔“ خیر پھر دونوں چل پڑے، ایک گاؤں میں پہنچے۔ وہاں کے باشندوں سے کھانا مانگا، لیکن انھوں نے مہمانی کرنے سے انکار کر دیا۔ حضرت خضر نے ایک دیوار دیکھی جو گرنے کے بالکل قریب تھی۔ انھوں نے اپنے ہاتھ سے اس کی طرف اشارہ کر کے اس کو سیدھا کر دیا۔ حضرت موسیٰ بولے اگر آپ چاہتے تو اس کی ان لوگوں سے مزدوری لیتے (ان لوگوں نے ہم کو کھانا تک نہیں دیا اور آپ نے ان کی دیوار سیدھی کر دی)۔ حضرت خضر بولے کہ یہ میرے اور تمہارے درمیان جدائی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ موسیٰ پر رحم فرمائے۔ ہم دل سے خواہش مند تھے کہ موسیٰ صبر کے ساتھ رہتے اور ہر بات کی وجہ نہ پوچھتے تو ہم کو ان دونوں حضرات کا اور قصہ معلوم ہوتا ﴿۱﴾

﴿۱﴾ صحیح بخاری۔ کتاب العلم، باب ما یستحب للعالم الاصل ای الناس اعلم، الجزء الاول، ص ۴۱، ۴۲، کتاب التفسیر، سورة الکہف، الجزء السادس، ص ۱۱۰، ۱۱۱ صحیح مسلم، کتاب الفعائل، فاعائل الخضر۔

دیوار سیدھی کرنے پر جب حضرت موسیٰ نے اعتراض کیا تو حضرت خضر نے کہا کہ بس اب مجھ میں اور تم میں جدائی کا وقت آگیا۔ جن باتوں پر تم سے صبر نہ ہو سکا، ان کی وضاحت کیے دیتا ہوں۔ کشتی تو چند مسکینوں کی تھی جو سمندر میں محنت مزدوری کر کے کماتے تھے۔ میں نے چاہا کہ اس کو عیب دار بنادوں اور وہ جس طرف بڑھ رہے تھے، وہاں ایک بادشاہ ہے، جس کسی کی کشتی سالم پاتا ہے اسے چھین لیتا ہے۔ رہاڑ کے معاملہ، اس کے والدین ایماندار تھے۔ مجھے خوف ہوا کہ یہ سرکشی اور کفر کر کے ان کی اذیت کا موجب بنے گا۔ میں نے چاہا کہ ان دونوں کا پروردگار اس کے بدلے انھیں بہتر لڑکا عطا کرے گا جو دینداری اور محبت میں اس سے بہتر ہو۔ اور دیوار کا معاملہ یہ ہے کہ وہ شہر کے دو یتیم لڑکوں کی تھی اور اس کے نیچے خزانہ گڑا ہوا تھا۔ ان کا باپ صالح تھا۔ تمہارے رب نے چاہا کہ وہ دونوں بالغ ہوں اور اپنا خزانہ نکالیں۔ یہ اُن کے حال پر اللہ کی مہربانی تھی۔ اور میں نے اپنے اختیار سے کچھ نہیں کیا۔ یہ ہے حقیقت ان باتوں کی جن پر تم صبر نہ کر سکے ﴿۲﴾

حضرت موسیٰ حضرت خضر کے ساتھ اٹھارہ روز رہے ﴿۳﴾۔ حضرت خضر اور حضرت موسیٰ کے واقعہ میں مجمع البحرین کا ذکر آیا ہے۔ قتادہ (التوفی ۱۱۸ھ/۷۷۶ء) ﴿۴﴾ کا کہنا ہے کہ یہ وہ جگہ ہے جہاں مشرق میں بحر فارس اور بحر روم ملتے ہیں ﴿۵﴾۔ امام شعبی کی بیان کردہ روایت میں مجمع البحرین افریقہ میں ہے ﴿۶﴾۔ بعض روایات میں ان دو سمندروں سے

﴿۲﴾ سورۃ الکہف : ۷۸-۸۲

﴿۳﴾ محمد خاندہ شاہ۔ تاریخ روضۃ الصفا، ج ۱، ص ۱۲۷

﴿۴﴾ ابو الخطاب قتادہ بن دعامہ بن قتادہ السدوسی البصری ثقہ فاضل ہیں۔ آپ کا شمار بصرہ کے نامور تابعین میں ہوتا ہے۔ آپ ناخواند پیدا ہوئے تھے۔

﴿۵﴾ مجمع مسلم بشرح نووی، کتاب الفضائل، فضائل الخضر، حیاۃ الخوان الکبریٰ ۴۸۲:۱

﴿۶﴾ مجمع مسلم بشرح نووی، کتاب الفضائل، فضائل الخضر

بحر اردن اور بحر قلزم یا بحر مغرب اور بحر زقاق مراد ہیں ﴿۷﴾۔ ایک رائے کے مطابق مجمع البحرین وہ جگہ ہے جہاں بحر احمر میں خلیج عقبہ اور نہر سويز ملتے ہیں۔ بعض اہل نظر کے بقول مجمع البحرین میں حضرت موسیٰ اور حضرت خضر کی ملاقات میں حکمت یہ ہے کہ یہ دونوں علم کے سمندر تھے۔ ایک علم ظاہر یعنی علم شرع کا سب سے بڑا عالم تھا اور دوسرا علم باطن یا علم حقیقت و اسرار ملکوت کا سمندر تھا ﴿۸﴾ یہ آخری قول صوفیا کا ہے مگر قرآن سے اس کی تائید نہیں ہوتی ﴿۹﴾ اس واقعہ میں جس قریہ کا ذکر آتا ہے یعنی جہاں کے لوگوں سے انہوں نے کھانا مانگا تھا، وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے نزدیک انطاکیہ ہے ﴿۱۰﴾ اور حضرت محمد بن سیرین (۱۱۰ھ/۶۵۳-۷۲۸ء) ﴿۱۱﴾ کے بقول ایلہ ہے ﴿۱۲﴾

ایک روایت کے مطابق مچھلی اس وجہ سے زندہ ہو گئی کہ اس پر وہاں چشمہ حیات نامی ایک چشمے کا پانی پڑا تھا۔ جب کسی مری ہوئی چیز پر وہ پانی پڑتا تو وہ زندہ ہو جاتی ﴿۱۳﴾ ایک دوسرے بیان کے مطابق حضرت موسیٰ کے خادم حضرت یوشع بن نون وضو کر رہے تھے کہ پانی کی مچھلیاں زنبیل میں رکھی مچھلی پر پڑیں جس سے وہ زندہ ہو گئی ﴿۱۴﴾ جب حضرت موسیٰ اور حضرت خضر کی جدائی کا وقت قریب آیا تو حضرت خضر نے کہا اگر

﴿۷﴾ حیاۃ النحویان الکبریٰ ۲۸۲:۱

﴿۸﴾ حیاۃ النحویان الکبریٰ ۲۸۲:۱-۲۸۳

﴿۹﴾ قرآن اور حدیث و روایات سے اس کی تائید نہیں ہوتی اس لیے اس قول کو قبول عام حاصل نہ ہو سکا۔

﴿۱۰﴾ صحیح مسلم بشرح نووی، کتاب الفضائل، فضائل الخضر، تاریخ روضۃ الصفا ۹۲:۱

﴿۱۱﴾ ابو بکر محمد بن سیرین تابعی، علم و فضل اور زہد و ورع میں یگانہ روزگار تھے۔ بصرہ کے تین بڑے علماء میں شمار ہوتے ہیں۔

حدیث اور علم تعمیر الروایا میں خاص مہارت حاصل تھی۔ تذکرۃ الحفاظ ۱: ۷۷، لؤلؤ الانوار ۳۶:۱

﴿۱۲﴾ صحیح مسلم بشرح نووی، کتاب الفضائل، فضائل الخضر

﴿۱۳﴾ حیاۃ النحویان الکبریٰ ۲۸۱:۱، صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ الکہف، الجزء السادس ص ۱۱۵

﴿۱۴﴾ حیاۃ النحویان الکبریٰ ۲۸۱:۱

آپ صبر سے کام لیتے تو تمہیں ایک ہزار عجائبات دکھاتا جو سب کے سب اس سے بھی عجیب ہوتے جو آپ نے دیکھے۔ حضرت موسیٰ یہ سن کر جدائی پر روئے۔ اس کے بعد دونوں پیغمبروں نے ایک دوسرے کو نصیحتیں کیں ﴿۱۵﴾

شیخ محی الدین ابن عربی (۵۶۰-۶۳۸ھ/۱۱۶۵-۱۲۳۰ء) ﴿۱۶﴾ کا بیان ہے کہ میں بیابان میں حضرت خضر کے ہمراہ تھا۔ انھوں نے حضرت موسیٰ کے ساتھ سفر کی عجیب و غریب باتیں سنائیں۔ جب میں نے اس بارے میں پوچھا تو کہا کہ میں نے پسر عمران (حضرت موسیٰ) کے لیے ایک ہزار مسائل تیار کیے تھے جب ان سے تین مسئلوں پر صبر نہ ہو سکا تو میں نے دوسرے مسائل کے اظہار سے احتراز کیا اور ان کی مصاحبت کا راستہ ہی بند کر دیا ﴿۱۷﴾

☆☆☆

﴿۱۵﴾ حیاۃ النبی ان الکبریٰ ۳۸۶:۱

﴿۱۶﴾ ابوبکر محی الدین محمد بن علی الحاتمی الطائفی المعروف بہ ابن اندلس کے شہر مرسیہ میں پیدا ہوئے۔ عالم اسلام کے مختلف شہروں کی سیاحت کر کے حج کو گئے جہاں آپ نے فتوحات مکہ تعریف کی۔ آپ کثیر القنیف عالم، مفکر، اور صوفی تھے۔ آپ کو شیخ اکبر بھی کہا جاتا ہے۔ دمشق میں وفات پائی اور جہل قاصیوں میں دفن ہوئے۔ آپ نے مسلمانوں کے فکری نظام پر دور رس اثرات ڈالے ہیں۔ لؤلؤ الانوار ۱۸۸:۱

﴿۱۷﴾ حیاۃ النبی ان الکبریٰ ۳۸۶:۱ تاریخ روضۃ الصفا ۹۳:۱

حضرت خضر

ولایت، نبوت اور رسالت

حضرت خضر کی نبوت میں علما کے درمیان اختلاف ہے۔ صوفیا کے ایک طبقہ کا کہنا ہے کہ حضرت خضر ولی ہیں ﴿۱﴾۔ امام قشیری (۳۷۶-۴۶۵ھ/۹۸۶-۱۰۷۲ء) ﴿۲﴾ کہتے ہیں کہ حضرت خضر نبی نہیں ولی ہیں ﴿۳﴾۔ امام ماوردی (المتوفی ۴۰۵ھ/۱۰۱۴ء) ﴿۴﴾ کا بیان ہے ”کہا جاتا ہے کہ حضرت خضر نبی ہیں، بعض لوگ کہتے ہیں ولی ہیں اور ایک رائے یہ ہے کہ فرشتوں میں سے ایک فرشتہ ہیں جو آدمیوں کی صورت اختیار کرتے ہیں“۔ لیکن امام نووی کے نزدیک آخری قول جس میں حضرت خضر کو فرشتہ کہا گیا ہے، غریب، ضعیف یا باطل ہے ﴿۵﴾۔ ابو الخطاب بن دحیہ (۵۴۴-۶۳۳ھ/۱۱۳۹-۱۲۳۵ء) ﴿۶﴾ کا قول ہے کہ ہم

﴿۱﴾ الاصابہ ۲۸۹:۲

﴿۲﴾ الامام ابو القاسم عبد الکریم ابن حوازن بن عبد الملک بن طلحہ القشیری، خراسان کے مشہور امام اور شیخ طریقت گزرے ہیں۔ آپ کی تصنیف ”الرسالۃ القشیریہ“ کا شمار تصوف کی بنیادی کتابوں میں ہوتا ہے۔ آپ کا انتقال غیشاپور میں ہوا۔ ﴿۳﴾ الامام ابو القاسم عبد الکریم ابن حوازن بن عبد الملک بن طلحہ القشیری النیشاپوری الشافعی، الرسالۃ القشیریہ، تحقیق الدکتور عبد الحلیم محمود، محمود بن الشریف، دار لکبہ الحدیث، القاہرہ، المطبعتہ الاولیٰ ۱۳۸۵ھ/۱۹۶۶ء ۲: ۶۶۸، الاصابہ ۲۸۹:۲، تہذیب الاسماء واللغات ۱: ۱۷۷، حیاۃ النبی ان الکبریٰ ۱: ۳۸۵

﴿۴﴾ ابو الحسن علی بن محمد بن حبیب القاضی البصری مختلف علوم میں دستگاہ رکھتے تھے۔ آپ پر اعتزال کا الہام تھا، مگر بعض علماء کا خیال ہے کہ آپ اس سے بری تھے۔ ان کی تفسیر ”الکف العیون“ کے نام سے مشہور ہے۔

﴿۵﴾ تہذیب الاسماء واللغات ۱: ۱۷۷ صحیح مسلم بشرح نووی کتاب المغاٹ، فضائل الخضر حیاۃ النبی ان الکبریٰ ۱: ۳۸۵

﴿۶﴾ ابو الخطاب عمر بن حسین بن علی الکلی المعروف بابو الخطاب ابن دحیہ اندلس کے ممتاز عالم ادب، تاریخ، فقہ، اور حدیث کے فاضل تھے۔ سیرت میں کتاب النعمان لکھی ہے۔ قاہرہ میں وفات پائی۔

نہیں جانتے کہ وہ فرشتہ ہیں یا نبی یا بندہ صالح ہیں ﴿۷﴾

اکثر علما کے نزدیک حضرت خضر نبی ہیں۔ امام تغلبی کا کہنا ہے کہ تمام اقوال میں حضرت خضر معمر نبی ہیں بلکہ بعض علما کا قول ہے کہ حضرت خضر کی نبوت کا اعتقاد زندقہ کے عقدہ کا پہلا حل ہے کیوں کہ زندقہ ان کے غیر نبی ہونے کو اس خیال کا ذریعہ بناتے ہیں کہ ولی نبی سے افضل ہوتا ہے جیسا کہ ان میں سے کسی کہنے والے نے کہا ہے۔

مقام النبوة فی برزخ فوق الرسول ودون الولی ﴿۸﴾

امام نووی نے ان لوگوں کے قول کو ترجیح دی ہے جو کہتے ہیں کہ حضرت خضر نبی تھے ﴿۹﴾۔ ابو حیان (المتوفی ۴۵۷/۱۳۴۳ء) ﴿۱۰﴾ کا کہنا ہے کہ جمہور کی رائے یہ ہے کہ وہ نبی ہیں ﴿۱۱﴾۔ ابن کثیر (۷۰۱-۷۷۴ھ/۱۳۰۱-۱۳۷۲ء) ﴿۱۲﴾ نے حضرت خضر کی نبوت پر سورہ کہف سے چار دلیلیں دی ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر کے بارے میں کہا ہے:

فَوَجَدَ عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا آتَيْنَاهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنَاهُ

لَدُنَّا عِلْمًا (الکہف: ۶۵)

”سو وہاں پہنچ کر انھوں نے (حضرت موسیٰ نے) ہمارے بندوں میں سے

﴿۷﴾ الاصابہ ۲: ۲۸۹

﴿۸﴾ الاصابہ ۲: ۲۸۸

﴿۹﴾ تہذیب الاسماء واللغات ۱: ۱۷۷

﴿۱۰﴾ امیر الدین ابو عبد اللہ محمد بن یوسف بن علی بن یوسف بن حیان الاندلسی القرطابی البیہقی المعروف بابو حیان مشہور محدث، مفسر، لغوی اور نحوی ہیں۔ تفسیر میں ان کی تصنیف ”البحر المحیط“ کے نام سے مشہور ہے۔

﴿۱۱﴾ الاصابہ ۲: ۲۸۹

﴿۱۲﴾ حافظ عماد الدین ابوالفداء اسماعیل بن ابی حفص عمر بن کثیر القرشی الشافعی، امام ابن تیمیہ کے شاگرد، شام کے مشہور مفسر محدث، مورخ اور فقیہ تھے۔ تفسیر القرآن العظیم، اختصار علوم الحدیث، البدایہ والنہایہ ان کی مشہور تصنیفات ہیں۔

ایک بندہ یعنی خضر کو پایا جن کو ہم نے اپنی خاص رحمت (یعنی نبوت) دی تھی اور ہم نے ان کو اپنے پاس سے ایک (خاص طور) کا علم سکھایا تھا۔“
(۲) حضرت موسیٰ نے ان سے کہا:

قَالَ لَهُ مُوسَىٰ هَلْ أَتَّبِعُكَ أَنْ تُعَلِّمَنِي مِمَّا عَلَّمْتُكَ رُشْدًا
قَالَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا (الکہف: ۶۶-۶۷)

”موسیٰ نے کہا کیا میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں اس شرط سے کہ جو علم مفید آپ کو (من جانب اللہ) سکھایا گیا ہے اس میں سے آپ مجھ کو بھی سکھادیں، انھوں نے فرمایا آپ سے میرے ساتھ مبر نہ ہو سکے گا۔“

اگر وہ نبی نہ ہوتے تو موسیٰ کو اس انداز سے خطاب نہ کرتے اور نہ موسیٰ کی درخواست مسترد کرتے۔ اگر وہ غیر نبی ہوتے تو معصوم نہ ہوتے اور نہ موسیٰ کے دل میں اتنی زیادہ رغبت ہوتی۔

(۳) مستقل دلیل یہ ہے کہ انھوں نے ایک لڑکے کو قتل کیا۔ یہ ان کی نبوت اور عظمت کی دلیل ہے۔ اگر وہ ولی ہوتے تو کسی کو قتل کرنے کے لیے وہ اپنے خواطر یا اپنے کشف پر عمل کیسے کرتے۔ اس لیے کہ اولیا کے لیے معصوم ہونا ضروری نہیں ہے۔

(۴) ان تمام افعال کے بعد انہوں نے کہا:

رَحْمَةً مِنْ رَبِّكَ وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي ﴿۱۳﴾

”آپ کے رب کی رحمت سے، اور میں نے کوئی کام اپنی رائے سے

نہیں کیا۔“

﴿۱۳﴾ قصص الانبیاء ۵۲۲:۲-۵۲۳، البیہ والنبیاء ۳۲۸:۱

بعض علما کے بقول اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر کی زبانی فرمایا ”وما فعلتہ عن امری“ اس کا مطلب یہ ہے کہ انھوں نے یہ کام بہ حکم خدا انجام دیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اُن پر وحی اتری تھی۔ اس وحی کے مطابق انھوں نے ایک لڑکے کو قتل کیا۔ اگر غیر نبی ہوتے تو انسان کو قتل کرنے کے لیے وحی (الہام) پر عمل کرنا ان کے لیے ضروری نہ تھا۔ اس لیے ان کی نبوت کا انکار ممکن نہیں اور انکار ممکن کیسے ہو، اس سے تو غیر نبی کا زیادہ عالم ہونا لازم آئے گا۔ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ سے کہا ”بلی عبدنا خضر“ نیز نبی غیر نبی کا تابع کس طرح ہو سکتا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی (۷۷۳-۸۵۲ھ/۱۳۷۱-۱۴۳۸ء) ﴿۱۳﴾ نے اسی لیے کہا ہے کہ حضرت موسیٰ کے ساتھ ان کی جو باتیں ہوئیں وہ زیادہ تر اس شخص کی درستی پر دلالت کرتی ہیں جو یہ کہتا ہے کہ وہ نبی تھے ﴿۱۵﴾

مفسرین میں امام زحشری (۴۶۸-۵۳۸ھ/۱۰۷۵-۱۱۳۳ء) ﴿۱۶﴾ بھی اس رائے کے قائل ہیں کہ حضرت خضر نبی ہیں ﴿۱۷﴾۔ مفسر قرطبی (المتوفی ۶۷۱ھ/۱۲۷۳ء) ﴿۱۸﴾

﴿۱۳﴾ حافظ شہاب الدین ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن محمد المعروف بہ ابن حجر عسقلانی، شارح بخاری، نامور محدث، فقیہ اور شاعر تھے۔ علم حدیث میں آپ کی گراں قدر خدمات ہیں۔ صحیح بخاری کی شرح فتح الباری کے نام سے لکھی ہے۔ الاصابہ فی تمییز الصحابہ، لسان المیزان، طبقات الحفاظ، دررکامنہ دوسری اہم تصانیف ہیں۔

﴿۱۵﴾ الاصابہ ۲: ۲۹۰

﴿۱۶﴾ امام ابوالقاسم جلال اللہ محمود بن عمر الزحشری الخوارزمی شہرہ آفاق مفسر، قرآن، لغت، نحو، بیان اور تفسیر کے امام ہیں۔ تفسیر میں الکشاف بہت مشہور ہے۔ امام موصوف کی دوسری تصانیف بھی کافی مقبول ہیں۔ وفیات الاعیان ۵: ۱۶۸

﴿۱۷﴾ ابوالقاسم جلال اللہ محمود بن عمر الزحشری الخوارزمی۔ الکشاف، مصطفیٰ البابی الکلی، اولادہ بمصر، ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء

۳۹۳:۲

﴿۱۸﴾ ابو عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی۔ الجامع لاحکام القرآن کے مصنف ہیں۔ یہ تفسیر قرآنی احکام اور آیات سے احکام کے استنباط سے بحث کرتی ہے۔ مصنف عالم فاضل کے ساتھ ساتھ حد درجہ متقی تھے۔

بھی حضرت خضر کو نبی مانتے ہیں ﴿۱۹﴾ اور علامہ آلوسی (المتوفی ۱۲۷۰ھ / ۱۸۵۳ء) ﴿۲۰﴾
بھی حضرت خضر کی نبوت کے قائل ہیں ﴿۲۱﴾

اہل کتاب کے ایک طبقہ کا کہنا ہے کہ حضرت خضر ان کی طرف مبعوث کیے گئے تھے۔
ابوالحسن رمانی (المتوفی ۳۸۳ھ) ﴿۲۲﴾ اور ابن جوزی (۵۰۸-۵۹۷ھ / ۱۱۱۴-۱۲۰۱ء)
﴿۲۳﴾ نے ان کے قول کی تائید کی ہے ﴿۲۴﴾۔ حضرت عبداللہ بن عباس اور وہب بن
منبہ کا قول ہے کہ وہ غیر مرسل نبی تھے ﴿۲۵﴾۔ یہ بات زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتی ہے۔



﴿۱۹﴾ ابو عبد اللہ بن احمد الانصاری القرطبی۔ الجامع لاحکام القرآن تحقیق ابواسحاق ابراہیم الطغیش، المصحف المصریہ العامہ للکتاب

۱۹۸۷ء ۱۶: ۲۹

﴿۲۰﴾ ابوالفضل شہاب الدین سید محمود آلوسی عراق کے مشہور مفسر گزرے ہیں۔ آپ کی ضخیم تفسیر روح المعانی میں صوفیانہ
رموز و اشارات کا بیان بھی ملتا ہے۔ روح المعانی ۳۰ جلدوں میں طبع ہو چکی ہے۔ بڑی جامع تفسیر مانی جاتی ہے۔

﴿۲۱﴾ ابوالفضل شہاب الدین سید محمود آلوسی۔ روح المعانی، مصر ۱۳۵۳ھ ۱۵: ۳۲۰، مولانا انور شاہ کشمیری کا کہنا ہے ”میرا

گمان ہے کہ حضرت خضر پیغمبر ہی ہوں گے“ انوار الباری

﴿۲۲﴾ ابوالحسن علی بن عیسیٰ الخوی المعروف بہ الرمانی فقہ، نحو اور کلام کے ماہر گزرے ہیں۔

﴿۲۳﴾ جمال الدین ابوالفرج عبدالرحمن المعروف بہ ابن جوزی، بغداد کے مشہور مفسر، محدث، فقیہ، ادیب، مورخ اور خطیب

تھے۔ تین سو سے زائد کتابیں لکھی ہیں۔ ایک لاکھ افراد نے آپ کے ہاتھ پر توبہ کی اور بیس ہزار نے اسلام قبول کیا۔ آپ
نے وصیت کی تھی، میرے استعمال کیے گئے قلموں کے تراشوں سے میرے غسل کے پانی کو گرم کیا جائے۔ تراشوں سے
پانی گرم کیا گیا، پھر بھی تراشے بچ گئے۔

﴿۲۴﴾ الاصابہ ۲: ۲۸۸-۲۸۹ الزهر البصر ص ۶۸

﴿۲۵﴾ الاصابہ ۲: ۲۸۸-۲۸۹ الزهر البصر ص ۶۸

تصوف میں حضرت خضر کا مقام

صوفیاء کے یہاں حضرت خضر کا تذکرہ کثرت سے آتا ہے۔ کبار صوفیاء کی رائے ہے کہ حضرت خضر نبی نہیں ولی ہیں۔ جبکہ بعض علمائے تصوف کا خیال ہے کہ خضر ایک شخص کا نہیں بلکہ رجال الغیب میں ایک منصب کا نام ہے، جیسے قطب، غوث یا ابدال کے مناصب ہوتے ہیں۔ ایک رائے یہ ہے کہ ہر زمانے کا ایک خضر ہوتا ہے جو اولیاء کا نقیب ہوتا ہے۔ جب اس کا انتقال ہو جاتا ہے تو دوسرا نقیب اس کی جگہ لیتا ہے اسے خضر کہتے ہیں ﴿۱﴾۔ بعض صوفیاء انھیں نقیب الاولیاء کہتے ہیں۔ حضرت خضر بھی رجال الغیب کی طرح نظروں سے اوجھل رہتے ہیں اس لیے انھیں ”رئیس الابدال“ بھی کہا جاتا ہے ﴿۲﴾

محمد داراشکوہ (۱۰۲۳-۱۰۷۰ھ/۱۶۱۵-۱۶۵۹ء) ﴿۳﴾ نے شیخ محی الدین ابن عربی کی رائے نقل کی ہے کہ حضرت خضر کا تعلق اولیاء کے اس طبقے سے ہے جو ”مفردان“ کہلاتا ہے۔ شیخ کے مطابق مفردان کا گروہ قطب کے دائرہ سے باہر ہے۔ حضرت خضر کا شمار انھیں میں ہوتا ہے۔ بعثت سے پہلے آنحضرت ﷺ کا تعلق بھی ”مفردان“ سے تھا ﴿۴﴾۔ مفردان ایک

﴿۱﴾ الاصابہ ۲: ۲۹۴

﴿۲﴾ الامام ابو حامد محمد بن محمد الغزالی۔ احیاء علوم الدین۔ شرکتہ مکتبہ و مطبعہ معظنی البابیہ اہلسی داوودہ بمصر ۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ء
۳۴:۱ شاہ ولی اللہ دہلوی۔ انوار مشمول السلسلات، مکتبہ محمودیہ سہارنپور ۱۳۸۵ھ/۱۹۶۵ء ص ۷۵

﴿۳﴾ مغل فرمانروا شاہ جہاں کا سب سے بڑا بیٹا تھا۔ شہزادہ داراشکوہ کو ظلم و فضل سے لگاؤ تھا۔ انھوں نے متعدد کتابیں لکھی ہیں۔ جن میں رسالہ حق نما، حسنات العارفین، سفیدہ الاولیاء اور سکینہ الاولیاء قابل ذکر ہیں۔

﴿۴﴾ سفیدہ الاولیاء بذیل شیخ عبدالقادر جیلانی ص ۵۷

دوسرے سے بے نیاز اور اپنے مقام و مرتبہ کے لحاظ سے ممتاز ہوتے ہیں۔ ان کی تعداد طاق ہوتی ہے اور ان کا مقام نبوت و صدیقیت کے بین بین ہے ﴿۵﴾

صوفیا میں اکثر حضرات حضرت خضر کی ولایت کے قائل ہیں۔ اس سے بعض غیر محتاط صوفیا کو مغالطہ ہوا ہے کہ ولی کو نبی پر فضیلت حاصل ہوتی ہے کیونکہ حضرت موسیٰ اور حضرت خضر کے درمیان جو واقعہ گزرا ہے اس سے حضرت خضر کی علمی برتری ثابت ہوتی ہے۔ صوفیا کا کہنا ہے کہ حضرت خضر کو علم لدنی، علم غیب یا علم باطن دیا گیا تھا جس سے حضرت موسیٰ محروم تھے۔ یہیں سے حضرت خضر کی فضیلت یا بالفاظ دیگر ولی کی افضلیت اخذ کی جاتی ہے۔ امام قشیری اولیا کی کرامات کے قرآنی دلائل کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ومن ذالک ما اظهر علی یدی الخضر علیہ السلام
من اقامة الجدار وغيره من الاعاجیب وما کان یعرفہ مما
خفی علی موسی علیہ السلام کل ذالک امور ناقضة للعادة
اختص الخضر علیہ السلام بها ولم یکن نبیاً وانما کان
ولیاً ﴿۶﴾

”اور انہی دلائل میں سے وہ (کرامات) ہیں جو حضرت خضر کے ہاتھوں دیوار کھڑی کر دینے اور دوسرے عجیب امور ظاہر ہوئے نیز ان کا اس چیز کو جاننا جو حضرت موسیٰ پر مخفی تھا (بھی انہی دلائل میں سے ہے) یہ سب امور خارق عادت ہیں جن سے حضرت خضر کو خاص کیا گیا تھا حالانکہ وہ نبی نہ تھے ولی تھے۔“

﴿۵﴾ سفینۃ الاولیاء ص ۱۶-۱۷

﴿۶﴾ الرسالۃ القشیریہ ۶۶۸:۲

شیخ ابونصر سراج طوسی (المتوفی ۳۷۸ھ/۹۸۸ء) ﴿۷﴾ حضرت علی کرم اللہ وجہہ (۲۳ق ھ-۵۴۱ھ/۵۹۹-۶۶۱ء) کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ذاک امرؤ اعطی علم اللدنی والعلم اللدنی هو العلم
الذی خص به الخضر علیہ السلام قال اللہ تعالیٰ (وعلمناه
من لدنا علماً) وقد سمعت بقصة الخضر وموسیٰ علیہ
السلام قوله (انک لن تستطيع معی صبراً) ﴿۸﴾

”یہ وہ شخص ہیں جنہیں علم لدنی عطا کیا گیا تھا اور علم لدنی وہ علم ہے جس سے
حضرت خضر کو مخصوص کیا گیا ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے: (ہم نے اپنے پاس سے اسے علم
دیا ہے) اور تم نے حضرت خضر اور حضرت موسیٰ کا قصہ اور ان کا یہ قول (کہ تم سے
میرے ساتھ صبر نہ ہو سکے گا) سنا ہے۔“

شیخ ابونصر سراج الطوسی کہتے ہیں کہ یہاں بعض لوگوں کو غلط فہمی ہو گئی ہے کہ ولایت کو
نبوت پر فضیلت حاصل ہے ﴿۹﴾۔ رسالہ ابدالیہ میں حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا گیا ہے
کہ حضرت خضر علم غیب جانتے تھے، اس لیے حضرت موسیٰ نے کہا:

هَلْ أَتَبِعُكَ عَلَىٰ أَنْ تُعَلِّمَنِي مِمَّا عَلَّمْتَ رُشْدًا

(الکہف: ۶۶) ﴿۱۰﴾

﴿۷﴾ شیخ ابونصر سراج طوسی، کاوٹن طوس ہے۔ آپ نے تصوف شیخ ابو محمد مرتضیٰ سے حاصل کیا اور ”اللمع فی التصوف“ تصنیف
کی جس کا شمار تصوف کی بنیادی اور اہم کتابوں میں ہوتا ہے۔ شیخ کا مزار طوس میں ہے۔ بحاث الانس ص ۱۸۰-۱۸۱
﴿۸﴾ ابونصر السراج الطوسی۔ اللمع تحقیق وبتقدیم وخریج الدكتور عبد الحلیم محمود، طبع عبد الباقی سرور، دار لکتاب الحدیث بمصر و مکتبہ

المعنی بغداد، ۱۳۸۰ھ/۱۹۶۰ء ص ۱۷۹

﴿۹﴾ اللمع ص ۱۷۹

﴿۱۰﴾ رسالہ ابدالیہ ص ۲۹

”کیا اس شرط پہ آپ کے ساتھ رہوں کہ جو علم خدا کی طرف سے آپ کو

سکھایا گیا ہے آپ اس میں سے مجھے کچھ بھلائی کی باتیں سکھائیں۔“

صوفیا کی رائے بھی یہی ہے کہ حضرت خضر علم غیب سے بہرہ ور ہیں۔ علم غیب، علم باطن یا علم لدنی کی بنا پر ارباب حال حضرت خضر کو حضرت موسیٰ پر فضیلت دیتے ہیں۔ اس لیے بعض غیر محتاط صوفیاء وہ ادب ملحوظ نہیں رکھ پائے جو حضرت موسیٰ جیسے برگزیدہ پیغمبر کے شایاں شان ہے۔ شیخ ابونصر السراج الطوسی دونوں برگزیدہ ہستیوں کے درمیان گزرے واقعہ کے متعلق لکھتے ہیں:

”جان لو کہ علم اس سے زیادہ ہے کہ فہیم ہستیوں کا فہم اس کا احاطہ کر سکے یا عقلاء کی عقلوں اس کا ادراک کر سکیں اور تمہارے لیے حضرت موسیٰ و حضرت خضر کا قصہ کافی ہے جبکہ حضرت موسیٰ کو اللہ تعالیٰ نے جلال اور تمکامی، نبوت، وحی اور رسالت کی خصوصیات سے نوازا تھا اور اللہ تعالیٰ نے نبی صادق کی زبان سے کہا کہ حضرت موسیٰ اس کے بندوں میں سے ایک بندے کے علم سے عاجز ہوئے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَوَجَدَ عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا.

”تو ان دونوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ پایا جسے ہم نے اپنے

پاس سے رحمت عطا کی تھی۔“

یہاں تک کہ انہوں نے اس بندے سے کہا:

هَلْ أَتَبِعُكَ

”کیا میں تمہارے ساتھ رہوں۔“

اس طرح موسیٰ نے اس شخص کی شرافت اور عصمت کی تائید کی اور اقرار کیا کہ وہ ان کا انکار نہیں کریں گے۔ باوجود اس کے کہ حضرت خضر نبوت، رسالت اور اللہ

حضرت خضر: تحقیق کی روشنی میں

کے ساتھ ہم کلام ہونے میں کسی طرح موسیٰ کے درجے کو نہیں پہنچ سکتے تھے“ ﴿۱۱﴾
 شیخ موصوف نے ان لوگوں کی غلط فہمی دور کرنے کی کوشش کی ہے جو ولایت کو نبوت پر
 برتری دیتے ہیں۔ شیخ نے ایک علیحدہ عنوان ”باب فی ذکر من غلط فی النبوة
 والولاية“ کے تحت اس مسئلے کو زیر بحث لایا ہے۔ انھوں نے ایک بلند پایہ صاحب حال کی
 حیثیت سے اس پر جو بحث کی ہے وہ صرف اس شخص کا حصہ ہے جو قرآن وحدیث پر گہری نظر
 رکھتا ہو۔ باب کے آغاز میں شیخ کہتے ہیں:

ثم ضلت فرقة اخرى في تفصيل الولاية على النبوة
 ووقع غلطهم في قصه موسى والخضر عليهما السلام
 وتفكرهم في ذلك برايهم ﴿۱۲﴾

”ایک فرقہ ولایت کو نبوت پر فضیلت دینے میں گمراہ ہوا اور ان کی غلطی
 حضرت موسیٰ و خضرؑ کے قصہ میں اور اس میں اپنی رائے سے ٹکڑ کرنے میں واقع
 ہوئی۔“

اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر کے متعلق فرمایا کہ وہ ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ تھا
 جسے ہم نے اپنے پاس سے رحمت عطا کی تھی اور اپنے پاس سے علم بخشا تھا۔
 چنانچہ ارشادِ باری ہے:

عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا آتَيْنَاهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنَاهُ مِّنْ لَّدُنَّا
 عِلْمًا (الکہف: ۶۵)

”پایا انھوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ جسے ہم نے اپنے پاس

﴿۱۱﴾ المص ۳۵۵

﴿۱۲﴾ المص ۳۵۵

سے رحمت عطا کی تھی اور اپنے پاس سے علم بخشا تھا۔“

اور حضرت موسیٰ کے لیے ہمکلامی اور رسالت کی خصوصیات کے ساتھ یہ بھی فرمایا:

وَكَبِّنَا لَهُ فِي الْأَلْوَا حِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مُوْعِظَةً وَ تَفْصِيلًا
لِكُلِّ شَيْءٍ (الاعراف: ۱۳۵)

”ہم نے ان کے لیے لکھ دی تختیوں میں نصیحت کی ہر چیز اور ہر چیز کی

تفصیل۔“

بائیں ہمہ حضرت خضر حضرت موسیٰ سے کہتے ہیں:

إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا (الکہف: ۶۷)
”تم میرے ساتھ صبر نہ کر سکو گے“

اور جواب میں حضرت موسیٰ ان سے کہتے ہیں:

لَا تَوْنُ أَخَذْنِي بِمَا نَسِيتُ وَلَا تُرْهِقْنِي مِنْ أَمْرِي عُسْرًا

(الکہف: ۷۳)

”مجھ سے میری بھول پر گرفت نہ کیجیے اور نہ میرے معاملے مجھ پر مشکل

ڈالے۔“

اس سے اس گمراہ فرقہ نے یہ خیال کیا کہ حضرت موسیٰ کی نبوت میں یہ کوئی نقص تھا اور

حضرت خضر کو حضرت موسیٰ پر فضیلت حاصل ہے۔ اس خیال نے انھیں یہاں تک پہنچایا کہ

انھوں نے اولیا کو انبیاء پر فضیلت دی ﴿۱۳﴾

شیخ ابو نصر السراج کا کہنا ہے کہ ان لوگوں کی توجہ اس پر نہ رہی کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے،

جس سے چاہے اور جس طرح چاہے خاص کرتا ہے۔ جس طرح آدم کو بخود ملائکہ سے، حضرت

﴿۱۳﴾ اللع م ۵۵۵

حضرت خضر: تحقیق کی روشنی میں

۷۲

نوح کو سفینہ سے، حضرت صالح کو اونٹنی سے، حضرت ابراہیم کو آگ کی ٹھنڈک اور سلامتی سے، حضرت عیسیٰ کو مردہ زندہ کرنے سے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شق القمر اور انگلیوں سے چشمے جاری ہونے سے ممتاز کیا ﴿۱۴﴾

غیر محتاط صوفیاء کے اس خیال پر علماء اسلام نے سخت گرفت کی ہے۔ انھوں نے اس غلط خیال کو یہ کہہ کر مسترد کیا ہے کہ حضرت خضر نبی تھے۔ ان کے نزدیک حضرت خضر کو نبی ماننا اس زندہ کا پہلا حل ہے جس کے تحت ولی کو نبی پر فضیلت دی جاتی ہے ﴿۱۵﴾۔ مگر شیخ ابوالنصر السراج الطوسی نے قرآن وحدیث سے استدلال کر کے گمراہ صوفیاء کے اس غلط خیال کی تردید کی ہے۔ شیخ کا بیان ہے:

”جہاں تک غیر انبیاء کا سوال ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کا قرآن میں

ذکر فرمایا جہاں (فرشتہ ان سے) کہتا ہے:

وَهَٰذَا إِلَٰهُكَ بِجُذُعِ الْخُلَّةِ تُسَلِّطُ عَلَيْكَ رُطْبًا جَنِينًا (مریم: ۲۵)

’اور کھجور کے تنے کو اپنی طرف ہلاتے ہوئے پکی کھجوریں گریں گی۔‘

حالانکہ حضرت مریم نبیہ نہ تھیں اور نہ یہ خصوصیت انبیاء کرام میں سے کسی کو

حاصل تھی۔ اس سے کسی کہنے والے کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ یہ کہے کہ انھیں یعنی

حضرت مریم کو انبیاء کرام پر فضیلت حاصل ہے“ ﴿۱۶﴾

شیخ نے اپنی دلیل کی تائید میں حضرت سلیمان کے وزیر آصف بن برخیا کے واقعہ سے بھی استشہاد کیا ہے۔ جنہیں کتاب کا ایسا علم دیا گیا تھا کہ انھوں نے پلک جھپکنے سے پہلے حضرت

﴿۱۴﴾ الملح ص ۵۳۵-۵۳۶

﴿۱۵﴾ الاصابہ ۲: ۳۸۸

﴿۱۶﴾ الملح ص ۵۳۶

سلیمان کے سامنے بلقیس کے تحت کو لا کر پیش کیا۔ شیخ کا کہنا ہے کہ آصف بن برخیا کے اس کمال کو دیکھ کر یہ کہنا کیسے جائز ہوگا کہ وہ حضرت سلیمان سے افضل تھے جبکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان کو نبوت، فہم اور سلطنت عطا کی تھی۔ سورہ النمل میں اللہ تعالیٰ کے بیان کردہ اس واقعہ کے علاوہ شیخ نے اسی سورہ میں مذکور ہند کے واقعے سے بھی دلیل دی ہے۔ شیخ کا کہنا ہے کہ ہند کو پانی دریافت کرنے کا ایسا علم دیا گیا تھا جو اس کے علاوہ کسی دوسرے پرندے حتیٰ کہ جن وانس میں کسی کو حاصل نہ تھا ﴿۱۷﴾

شیخ ابونصر السراج الطوسی نے قرآن کے بعد حدیث سے بھی دلیل ہے۔ انھوں نے حضور اکرم ﷺ کی ایک حدیث کا ٹکڑا دیا ہے۔ جس میں آپؐ نے تین مشہور صحابہ حضرت زید (۶۳۵ھ/۶۶۵ء) حضرت ابی بن کعب (المتوفی ۳۲ھ/۶۵۱ء) اور حضرت معاذ بن جبل (المتوفی ۱۸ھ/۶۳۹ء) کے امتیازی اوصاف بیان فرمائے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا ہے کہ تم میں سب سے زیادہ علم فرائض کے جاننے والے حضرت زید، سب سے اچھی قرأت کرنے والے حضرت ابی بن کعب اور سب سے بڑھ کر حلال و حرام جاننے والے حضرت معاذ بن جبل ہیں۔ اور رسول اللہ ﷺ نے دس صحابہ کو جنت کی بشارت دی ہے۔ یہ تینوں صحابہ ان دس صحابہ یعنی عشرہ مبشرہ میں شامل نہیں ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق (۵۰ ق.ھ۔ ۱۳ھ/۵۷۳ء۔ ۶۳۴ء) ان تینوں صحابہ سے افضل ہیں ﴿۱۸﴾۔ شیخ کے اس بیان کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح حضرت مریم کی کرامت، آصف بن برخیا کے علم اور ہند کی صلاحیت کے باوجود انھیں نبی پر فضیلت دینا جائز نہیں یا مذکورہ تینوں صحابہ حضرت زید، حضرت ابی بن کعب اور حضرت معاذ بن جبل کو بعض اوصاف میں تمام صحابہ میں افضل ہونے کے باوجود عشرہ مبشرین یا حضرت ابو بکر صدیق پر فضیلت نہیں دی جاسکتی اسی طرح حضرت خضر کو حضرت موسیٰ پر فضیلت نہیں دی جاسکتی اور نہ

کسی ولی کو نبی پر فضیلت دینا جائز ہے۔

شیخ موصوف نے باب کے آخر میں جو کچھ لکھا ہے وہ اس موضوع پر حرف آخر کی حیثیت رکھتا ہے۔ شیخ کا بیان ہے:

”اولیاء میں سے کسی ولی کو جو کرامت حاصل ہوتی ہے وہ حضور اکرمؐ کی حسن اتباع کا ثمرہ ہوتی ہے تو یہ کیسے جائز ہوگا کہ تابع کو متبوع پر اور مقتدی کو امام پر فضیلت دی جائے۔ حالانکہ انبیاء کرام کو جو کچھ عطا ہوتا ہے اولیاء کو اس میں سے شہہ بھر عطا کیا جاتا ہے۔ جو شخص کہتا ہے کہ انبیاء کرام کو واسطہ یعنی فرشتے کے ذریعے وحی بھیجی جاتی ہے جبکہ اولیاء کو براہ راست اللہ کی طرف سے الہام کیا جاتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ نہیں پر آپؐ نے غلطی کی کیونکہ انبیاء کا یہ حال ہمیشہ ہوتا ہے۔ یعنی الہام۔ مناجاة، تلقف من اللہ بغیر واسطے کے ہوتا ہے جبکہ اولیاء کو کبھی کبھار ہوتا ہے۔ اور انبیاء کرام کو رسالت، نبوت اور نزول جبریل سے وحی کی فضیلت حاصل ہوتی ہے: اولیاء کو یہ چیز حاصل نہیں ہوتی۔ اور اگر حضرت خضر پر حضرت موسیٰ کے انوار اور ہم کلامی کی ان کی خصوصیات میں سے ایک ذرہ ظاہر ہوتا تو وہ گم ہو جاتے لیکن اللہ تعالیٰ نے انھیں اس سے حجاب میں رکھا تا کہ اس سے حضرت موسیٰ کو آراستگی اور مزید فضیلت حاصل ہو۔ اس کو ذہن میں رکھو۔ اور ولایت و صدیقیت تو خود انوار نبوت سے منور ہوتی ہے۔ یہ کبھی نبوت کو نہیں پہنچ سکتی۔ اسے کیسے نبوت پر فضیلت دی جائے گی“ ﴿۱۹﴾

☆☆☆

حضرت خضر اور صوفیا

اہل تصوف میں بہت سے بزرگوں نے دعویٰ کیا ہے کہ انھوں نے حضرت خضر سے ملاقات کا شرف حاصل کیا ہے۔ بعض صوفیا نے ان سے خرقہ طریقت پایا ہے جبکہ کئی ایک بزرگوں کو ان سے مخصوص اور ادووظائف ملے ہیں۔ چند ایک نے ان سے جنگلوں اور بیابانوں میں ملاقات کر کے کسب فیض کیا ہے اور متعدد ایسے خوش نصیب گزرے ہیں جنہیں یہ سعادت گھر بیٹھے ملی ہے۔

شیخ محی الدین ابن عربی نے حضرت خضر سے بالواسطہ اور بلا واسطہ خرقہ پایا تھا۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے ۶۱۰ھ میں موصل کے مضافات منقلی میں ابن جامع کے باغ میں اسی جگہ ابن جامع کے ہاتھ سے خرقہ پہنا جہاں حضرت خضر نے انھیں پہنایا تھا۔ اس کے علاوہ شیخ نے ایک اور طریقے سے بھی حضرت خضر سے خرقہ پایا ہے جس میں تین واسطے تھے ﴿۱﴾۔ شیخ کا بیان ہے کہ میں حضرت خضر کی صحبت میں رہا ہوں، میں نے ان سے ادب اور وصایا حاصل کیے ہیں۔ انھوں نے مجھے مقامات شیوخ کو ماننے کی وصیت کی۔ میں نے ان سے خرق عادت کی تین باتیں دیکھیں۔ وہ سمندر پر چلتے تھے، طئی ارض یعنی پاؤں سے زمین کو پلیٹ لیتے تھے۔ اور ہوا میں نماز پڑھتے تھے ﴿۲﴾۔ بعض دوسرے بزرگوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ

﴿۱﴾ شیخ محی الدین ابن عربی۔ الفتوحات المکیہ القامرہ ۱۳۹۳ھ/۱۹۷۳ء ۳: ۱۸۵-۱۸۶، طبعہ الاولیاء ص ۶۷، نجات الانس ص ۳۵۷

﴿۲﴾ نجات الانس ص ۳۵۷

انہوں نے حضرت خضر سے خرقہ ولایت یا خرقہ طریقت پایا تھا ﴿۳﴾

صوفیا کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خضر بعض اوقات تعلیم و تربیت کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ شیخ حکیم ترمذی (المتوفی ۳۲۰ھ/۹۳۲ء) ﴿۴﴾ جب بچپن میں ماں کی ضعیفی اور کمزوری کے پیش نظر حصول علم کے لیے شہر سے باہر نہ جاسکے تو حضرت خضر انھیں تین سال تک پڑھاتے رہے۔ شیخ کا بیان ہے کہ یہ سعادت انھیں والدہ کی رضا کے نتیجے میں حاصل ہوئی ﴿۵﴾

حضرت قطب الدین بختیار کاکی (المتوفی ۶۳۳ھ/۱۲۳۵ء) ﴿۶﴾ کو بچپن میں ان کی والدہ نے ایک قریبی مسجد میں قرآن پڑھنے کے لیے بھیج دیا، لیکن راستے میں انہیں ایک بزرگ ملے اور ایک دوسری مسجد میں اپنے ساتھ لے گئے۔ جہاں ایک استاد ابو حفص پڑھاتے تھے۔ استاد بزرگ کو دیکھتے ہی کھڑے ہو گئے اور تعظیم بجالائے۔ بزرگ نے انہیں بچے کو توجہ سے پڑھانے کی وصیت کی اور چلے گئے۔ بعد میں استاد نے حضرت قطب الدین سے کہا کہ یہ خواجہ خضر تھے ﴿۷﴾

﴿۳﴾ J.Spencer, Trimmingham, The Sufi Orders in Islam pp.42,63,114,262,279

﴿۴﴾ حکیم الاولیاء محمد بن علی الترمذی مشہور صوفی مزرے ہیں۔ ختم الولایہ اور نواد الاصول ان کی مشہور تصانیف ہیں۔ انھوں نے ختم الولایہ کا نظریہ پیش کیا۔ سوانح کے لیے دیکھئے: شیخ ابو حامد محمد بن ابی بکر ابراہیم فرید الدین عطار نیشاپوری۔ کتاب تذکرہ الاولیاء، تقدیم آقا ی مرزا محمد قزوینی، تہران چاپ سوم سال ۱۳۳۶ ۴۷:۲ الرسالة القصیر یہ ۹۱:۱، سفینۃ الاولیاء ص ۱۲۹، لوائح الانوار ۹۱:۱

﴿۵﴾ کتاب تذکرۃ الاولیاء ۷۷:۲
﴿۶﴾ شیخ بختیار بن احمد بن موی المعروف بہ خواجہ بختیار کاکی اوش فرغانہ میں پیدا ہوئے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ہندوستان کا سفر کیا اور مرشد کے ارشاد کے مطابق دہلی کو اپنا مسکن بنایا۔ حضرت فرید الدین گنج شکر آپ کے مرید ہوئے۔ آپ کا انتقال دہلی میں ہوا۔ دیکھئے سفینۃ الاولیاء ص ۹۳

﴿۷﴾ شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی۔ خیر الجالس، مرتبہ مولانا حمید قلندر، قسطنطنیہ و تقدیم ضیق احمد نظامی، علی گڑھ ص ۱۰۷-۱۰۸

مولانا یعقوب چرخنی کا بیان ہے کہ ابتدائے حال میں میرے دل میں حصول تعلیم کے لیے سفر کا شوق پیدا ہوا لیکن اسباب میسر نہ تھے۔ چنانچہ میں متوجہ ہوا تو خواب میں خواجہ خضر کو فرماتے سنا، حصول علم کے لیے نکلو جہاں اور جب حاجت پیش آئے مجھے یاد کرنا۔ میں نے یہی کیا اور مجھے تجربہ سے یقین ہوا کہ خواب رحمانی تھا ﴿۸﴾

صوفیا کے بقول حضرت خضر لوگوں کی تعلیم و تادیب کے لیے مقرر ہیں۔ ایک مرتبہ ایک بزرگ کی نگاہ راستے میں ایک حسین لڑکے پر پڑی۔ دوسری بار دیکھا تو الف سے لے کر والناس کی سین تک سارا قرآن بھول گئے۔ بزرگ حضرت خواجہ حسن بصری (۲۱-۱۱۰ھ / ۶۳۳-۷۲۸ء) ﴿۹﴾ کے پاس گئے اور سارا ماجرا سنایا۔ خواجہ حسن بصری نے کہا کہ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ مکہ جا کر محراب امام اعظم کے سامنے دو گانہ پڑھو اور بیٹھو۔ وہاں ایک بزرگ آئیں گے، ان سے اپنا واقعہ بیان کرو۔ بزرگ مکہ گئے اور جائے مذکورہ پر دو گانہ پڑھ کر بیٹھے۔ اتنے میں ایک بزرگ آئے اور دو گانہ پڑھ کر بیٹھ گئے۔ پہلے بزرگ نے ان سے اپنا واقعہ بیان کیا۔ یہ بزرگ خواجہ خضر تھے۔ انھوں نے اپنا لعاب دہن انگشت سب سے ان کے منہ میں ڈالا۔ بزرگ کو از سر نو قرآن الحمد کے الف سے لے کر والناس کی سین تک یاد ہو گیا ﴿۱۰﴾ بعض صوفیا کو حضرت خضر نے اوراد و وظائف کی تعلیم دی اور بعض کو سفر و حضر میں مشوروں سے نوازا۔ شیخ ابراہیم مارستانی (تیسری صدی ہجری) ﴿۱۱﴾ کا کہنا ہے کہ میں نے خواب میں

﴿۸﴾ رسالہ ابدالیہ ص ۲۸-۲۹

﴿۹﴾ یکمائے روزگار تابعی اور زہد دورح میں امام وقت۔ تاریخ تصوف میں انھیں ممتاز مقام حاصل ہے۔ سلسلہ تصوف میں اہم کڑی شمار ہوتے ہیں۔ ان کے مواعظ فصاحت و بلاغت کے ساتھ اثر آفرینی کے لیے مشہور ہیں۔ مولد و منشا مدینہ اور مدفن بصرہ ہے۔ تذکرۃ الحفاظ ۷: ۱، سفینۃ الاولیاء ص ۳۱

﴿۱۰﴾ خیر الجالس ص ۲۶۷

﴿۱۱﴾ ابواسحاق ابراہیم بن احمد مارستانی بغداد کے رہنے والے تھے۔ حضرت جنید بغدادی کے دوست تھے۔ ان سے ابو محمد جریری نے حکایت کی ہے۔

حضرت خضر کو دیکھا، انھوں نے مجھے دس کلمات سکھائے اور انہیں ہاتھ کی انگلیوں پر گنا۔

اللهم انی اسألك حسن الاقبال عليك والاصغاء اليك والفهم عنك والبصيرة في امرک والنفاذ فی طاعتک والمواضبة علی ارادتک والمبادرة فی خدمتک وحسن الادب فی معاملتک وبرداتسلیم الیک والنظر الی وجهک ﴿۱۲﴾

”اے میرے اللہ! میں تیرے حضور اچھی حاضری، تیری طرف کامل توجہ، تیرے کلام کے فہم، تیرے معاملے میں بصیرت، تیری طاعت پر قیام، تیرے ارادے پر مداومت کرنے، تیرے حضور حاضر ہونے کے لیے عجلت، تیرے تعلق میں حسن ادب، سلامتی کو تیری ہی جانب پھیرنے اور تیری حاجت دیکھنے کی توفیق کا سوال کرتا ہوں۔“

شیخ ابراہیم بن ادہم (المتوفی ۱۶۱ھ ۷۷۷ء) ﴿۱۳﴾ نے صحرا میں ایک شخص سے اسم اعظم کی تعلیم پائی۔ انھوں نے اس کے ذریعے دعا کی تو حضرت خضر کا دیدار ہوا۔ انھوں نے شیخ سے کہا کہ تمہیں میرے بھائی داؤد علیہ السلام نے اسم اعظم کی تعلیم دی ہے ﴿۱۴﴾۔ بعض بیانات میں آیا ہے کہ انھیں حضرت خضر نے اسم اعظم سکھایا تھا اور چند نصیحتیں بھی کی تھیں

﴿۱۲﴾ الملح ص ۳۳۲

﴿۱۳﴾ شیخ ابو منصور، ابو اسحاق ابراہیم کا تعلق بلخ کے شاہی خاندان سے تھا۔ دنیا ترک کر کے زہد و ورع کی زندگی اختیار کی۔ مکہ جا کر حضرت سفیان ثوری اور فیصل بن عیاض کی صحبت میں رہے۔ امام ابو حنیفہ سے خاص تعلق تھا۔ بعد میں شام گئے۔ اپنے ہاتھ کی کماٹی پر گزارہ کر لیتے تھے۔ شام ہی میں وفات پائی۔ ابو عبد الرحمن بن محمد بن حسین بن محمد بن موسیٰ السلی۔ طبقات الصوفیاء، مرتبہ جوہانس پیڈرن، لیڈن ۱۹۸۰ء ص ۱۳، بحاث الانس ص ۲۸، لوائح الانوار ۶۹:۱

﴿۱۴﴾ طبقات الصوفیاء ص ۱۵، ۱۹، الرسائل القشیریہ ۵۲:۱

﴿۱۵﴾۔ شیخ ابراہیم العیسیٰ (المتوفی ۹۲ھ/۱۰۱۷ء) ﴿۱۶﴾ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انھیں حضرت خضر نے سبعت عشر (ایک مخصوص تسبیح) کی تلقین کی اور آخر میں کہا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے اس کی تعلیم دی تھی ﴿۱۷﴾۔ ایک اور بزرگ کا بیان ہے کہ طریقہ شاذلیہ کے اذکار و اوراد انھیں آنحضرت ﷺ سے حضرت خضر کے ذریعے ملے تھے جبکہ دونوں ان کے سامنے متشکل ہوئے تھے ﴿۱۸﴾

علمی مباحث کے ساتھ حضرت خضر کی دلچسپی ان واقعات سے عیاں ہے جو تصوف کی کتابوں میں بیان ہوئے ہیں۔ شیخ حکیم ترمذی کے بارے میں ان کے مرید شیخ ابوبکر وراق (المتوفی ۳۷۷ھ/۹۵۸ء) ﴿۱۹﴾ بیان کرتے ہیں کہ حضرت خضر ہر اتوار (بقول داراشکوہ ہر سنجر) کو ان سے ملنے آیا کرتے تھے۔ دونوں میں تبادلہ خیال ہوتا تھا اور دونوں ایک دوسرے کا حال پوچھتے تھے ﴿۲۰﴾۔ ایک مرتبہ شیخ ترمذی نے اپنی تمام تصانیف دریا برد کیں، لیکن حضرت خضر نے انھیں دریا سے نکال کر ان کی خدمت میں پیش کیا اور کہا بہتر ہے آپ ان سے شغل رکھیں ﴿۲۱﴾۔ شیخ ابوبکر وراق کا کہنا ہے کہ ایک مرتبہ شیخ حکیم ترمذی نے اپنی تصانیف کے کچھ

﴿۱۵﴾ شیخ عبدالرؤف السناوی۔ الکواکب الدرریہ، جمع وتلیق محمود حسن رجب، مصر ۱۳۹۷ھ/۱۹۳۸ء، ۱: ۱۷۷، ۲۰۳، ابوعلی بن عثمان الجلالی الجوزی۔ کشف المحجوب، ندرتہران، مجمع و جلیہ علی قویم، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد ۱۹۷۸ء، ص ۹۷

﴿۱۶﴾ ابوالساءہ ابراہیم بن یزید بن شریک البغی الکوفی کوئٹہ کے عابد تھے۔ حدیث میں ثقہ ہیں۔ دیکھئے: الحافظ احمد بن علی بن حجر احقرانی۔ تہذیب التعریب، تحقیق وتلیق ابوالاشبال صغیر احمد، دیوبند، المطبعۃ الاولیٰ ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۷ء، ص ۱۱۸، لونی الانوار: ۳۱

﴿۱۷﴾ احیاء علوم الدین ۱: ۳۳۶، الکواکب الدرریہ ۱: ۷۴، الزہر الخضر ص ۱۳۸

﴿۱۸﴾ ابو محمد عبداللہ، اوراد الصوفیہ خلافت پریس بمبئی ص ۱۶-۱۷، انصاف ایک تجزیاتی مطالعہ ص ۱۰۳

﴿۱۹﴾ مؤدب الاولیاء شیخ ابوبکر وراق کا اصلی نام محمد بن عمر ہے۔ آپ ترمذ کے رہنے والے تھے۔ آپ کا حجاز بھی ترمذ میں ہے۔

تذکرۃ الاولیاء باب ۵۹ ص ۲۹۱-۲۹۲، لونی الانوار: ۹۱-۹۲، معجمت الانس ص ۸۰-۸۱

﴿۲۰﴾ کشف المحجوب ص ۱۲۹، سفینۃ الاولیاء ص ۱۲۹

﴿۲۱﴾ تذکرۃ الاولیاء ۳: ۷۹، سفینۃ الاولیاء ۱۲۹

اجزا مجھے دے اور کہا کہ انھیں جیموں میں پھینک آؤ۔ میں نے ان اجزا کو دیکھا تو ان میں لطائف و حقائق تھے۔ میرا دل نہ مانا کہ انھیں دریا برد کردوں، میں نے انھیں گھر میں رکھا اور ان سے کہا کہ انھیں دریا میں پھینک دیا، انھوں نے کہا کہ تم نے کیا دیکھا؟ میں نے کہا کچھ نہیں۔ انھوں نے کہا تم نے نہیں پھینکی ہیں، جاؤ پھینک آؤ۔ میں نے وہ اجزا دریا میں پھینک دیئے۔ پانی دو ٹکڑے ہو گیا اور اس میں سے ایک صندوق برآمد ہوا جس کا ڈھکنا کھلا ہوا تھا۔ وہ اجزا صندوق کے اندر جا پڑے اور ڈھکنا بند ہو گیا۔ پانی آپس میں مل گیا اور صندوق نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ میں نے واپس آ کر شیخ ترمذی کو سارا واقعہ سنایا۔ انھوں نے کہا ہاں اب تم نے پھینک دی ہیں۔ جب میں نے پوچھا کہ آخر یہ کیا راز ہے؟ انھوں نے بتایا کہ میں نے صوفیا کے علم کے بارے میں کچھ چیزیں تصنیف کی تھیں لیکن جن کا سمجھنا مشکل تھا۔ بھائی خضر نے مجھ سے یہ تصانیف طلب کیں۔ وہ صندوق مچھلی تھی جو ان کے حکم سے آئی تھی، اللہ تعالیٰ نے پانی کو حکم دیا تھا کہ انھیں ان تک پہنچا دے ﴿۲۲﴾

مظفر بھاص کہتے ہیں کہ میں اور نصر خراط نے ایک رات ایک جگہ علمی مذاکرہ کیا۔ خراط نے کہا کہ جو شخص اللہ کا ذکر کرتا ہے، اس کا فائدہ یہ ہے کہ وہ ابتداء ذکر میں یہ معلوم کرتا ہے کہ اللہ نے اسے یاد کیا ہے۔ میں نے ان سے اختلاف کیا، تو خراط نے کہا کہ اگر خضر یہاں ہوتے، تو میری بات کی تصدیق کرتے۔ اس دوران کیا دیکھتے ہیں کہ آسمان اور زمین کے درمیان ایک بوڑھا شخص چلا آ رہا ہے۔ یہاں تک کہ وہ ہمارے پاس پہنچ گیا۔ سلام کیا اور کہا کہ اس نے سچی بات کہہ دی۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا اس لیے اللہ کا ذکر کرتا ہے کہ اللہ نے اسے یاد کیا ہے، ہم جان گئے کہ یہ خضر علیہ السلام ہیں ﴿۲۳﴾

﴿۲۲﴾ تذکرۃ الاولیاء ۲: ۷۸-۷۹

﴿۲۳﴾ الرسالة القشیر ۲: ۷۰۳

تصوف کی کتابوں میں حضرت خضر کے بارے میں جو واقعات منقول ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خضر کو سفر اور صحرا و نوردی کے دوران علمی مجلسوں کے متعلق آگاہی ہوتی ہے۔ ایک صوفی نے حضرت خضر سے پوچھا کیا تم نے اپنے سے بڑتر کسی کو دیکھا ہے؟ انھوں نے جواب دیا ”ہاں“۔ عبدالرزاق بن ہمام (۱۲۶-۲۱۱ھ/۷۴۱-۸۲۷ء) ﴿۲۳﴾ مدینہ منورہ میں حدیث کا درس دے رہے تھے اور لوگ ان کے ارد گرد تھے۔ میں نے ایک جوان کو دیکھا جو اپنا سر زانوؤں پر رکھے ہوئے تھا۔ میں نے اس سے کہا ”عبدالرزاق بن ہمام حدیث کی روایت کرتے ہیں، تم کیوں نہیں سنتے؟“ اس نے جواب دیا ”وہ میت سے روایت کرتا ہے اور میں غائب نہیں ہوں“۔ میں نے اس سے پوچھا کہ اگر واقعی آپ کو یہ مقام حاصل ہے تو بتائیے میں کون ہوں؟ اس نے جواب دیا ”بھائی تم ابوالعباس خضر ہو“۔ پس میں جان گیا کہ اللہ کے بعض بندے ایسے ہیں جنہیں میں نہیں جانتا ﴿۲۵﴾

حضرت خضر سے ملاقات کرنے والے بزرگ بعض اوقات ان سے مختلف امور کے متعلق استفسار کرتے ہیں۔ ایک بزرگ کا بیان ہے کہ میں بنی اسرائیل کے جنگل (تیبہ بنی اسرائیل جس میں حضرت موسیٰ اور ان کی قوم راستہ بھول گئی تھی) میں تھا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک آدمی میرے ساتھ چل رہا ہے۔ مجھے ان سے حیرت ہوئی۔ پھر خیال آیا کہ حضرت خضر ہوں گے۔ میں نے اللہ کی قسم دے کر پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ انھوں نے جواب دیا ”میں آپ کا بھائی خضر ہوں“۔ میں نے ان سے کہا کہ میں آپ سے کچھ سوال کرنا چاہتا ہوں۔ انھوں نے جواب دیا ”پوچھ لو“۔ میں نے کہا ”آپ امام شافعی (۱۵۰-۲۰۴ھ/۷۶۷-۸۲۰ء) ﴿۲۶﴾

﴿۲۳﴾ یمن کے مشہور محدث اور حافظ حدیث، حافظ ذہبی نے انھیں غزوہ اعلم کہا ہے۔ الاعلام-۳: ۱۲۶

﴿۲۵﴾ الرسائل القشیریہ ۲: ۱۸۵، نقلی تغیر کے ساتھ یہ واقعہ مولانا جامی نے بھی نقل کیا ہے۔ لیکن درس حدیث کا مقام مدینہ منورہ کے بجائے جامع صنعاء دیا ہے۔ دیکھئے نجات الانس ص ۱۱۳-۱۱۴

﴿۲۶﴾ ابو عبد اللہ محمد بن ادریس الشافعی، شافعی مسلک کے امام، فقہ شافعی کے موسس اور قرآن و حدیث کے ماہر ہیں۔ ائمہ

اربعہ میں شمار ہوتے ہیں۔ دیکھئے تذکرۃ الحفاظ ۱: ۳۲۹، وفيات الاعیان ۳: ۱۶۳، بلوغ الانوار ۱: ۵۰

کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟“ انھوں نے کہا کہ وہ اوتا د میں سے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ امام احمد بن حنبل (۱۶۳-۲۴۱ھ/۷۸۰-۸۵۵ء) ﴿۲۷﴾ کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ فرمایا ”وہ صدیق ہیں“۔ میں نے سوال کیا۔ بشر بن الحارث الحافی (۱۵۰-۲۲۷ھ/۷۶۷-۸۴۱ء) ﴿۲۸﴾ کے متعلق آپ کیا کہتے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ ان کے بعد ان کا ہمسر پیدا نہ ہوا۔ میں نے سوال کیا کہ مجھے آپ کی زیارت کس وجہ سے نصیب ہوئی۔ فرمایا ”والدہ کی تابعداری کرنے سے“ ﴿۲۹﴾

سفر میں مشائخ کا ساتھ دینا اور ان کی مدد کرنا حضرت خضر کا معمول رہا ہے۔ شیخ ابراہیم خواص (المتوفی ۲۹۱ھ-۹۰۳ء) ﴿۳۰﴾ کہتے ہیں کہ میں صحرا میں ایک جگہ غزدہ بیٹھا تھا اور مجھ پر کئی اوقات کا فاقہ تھا۔ اسی حالت میں میں نے حضرت خضرؑ کو ہوا میں (فضا میں) گزرتے دیکھا۔ میں نے سر جھکا لیا اور نگاہیں پھر لیں۔ ان کی طرف نہیں دیکھا، جب انھوں نے مجھے دیکھا تو میرے پہلو میں بیٹھ گئے۔ میں نے ان کی طرف دیکھا تو فرمایا ”اے ابراہیم! اگر تو نے

﴿۲۷﴾ ابو عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل شیبانی، مشہور محدث، فقہ حنبلی کے امام، زہد و ورع میں عدیم المثال اور مبرداستقامت میں پہاڑ تھے۔ فقہ خلق قرآن کے معاملے میں آپ نے جس عزیمت کا مظاہرہ کیا۔ اس پر مشہور محدث علی بن مدینی نے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس دین کو دو مخصوص کے ذریعے عزت دی۔ ارتداد کے موقع پر حضرت ابو بکر صدیق کے ذریعے اور فقہ خلق قرآن کے موقع پر حضرت امام احمد بن حنبل کے ذریعے۔ حدیث میں آپ کی ”المسند“ مشہور ہے۔ لؤلؤ الانوار: ۵۳

﴿۲۸﴾ ابو نصر بشر بن حارث بن علی بن عبد الرحمن السروہی، الحافی، یاقوتی اور پرہیزگاری میں اپنی مثال آپ تھے۔ انھیں تمام محدثین نے ثقہ مانا ہے۔ آپ کا انتقال بغداد میں ہوا۔ جنازہ میں لوگوں کا اس قدر ہجوم تھا کہ فجر کی نماز ختم ہوتے ہی تابوت گھر سے روانہ ہوا اور دروات کو قبرستان پہنچا۔ ان کی موت پر ان کے مکان میں جنات نے بھی ماتم کیا۔ دیکھئے الہدایہ والنبایہ ۱: ۲۹۷، لؤلؤ الانوار ۷: ۷۳

﴿۲۹﴾ الرسالة القصریہ ۱: ۶۹، ۷۰، الکواکب الدریہ ۱: ۲۱۱، الاصابہ ۲: ۳۳۰-۳۳۱

﴿۳۰﴾ شیخ ابواسحاق ابراہیم خواص کا وطن بغداد تھا۔ حضرت جنید بغدادی کے ہم نشین تھے۔ آپ کا شمار اصحاب محو میں ہوتا ہے۔

آپ کا مزار امنہان کے ایک مقام پر ہے۔ دیکھئے: سفینۃ الاولیاء ص ۳۶، لؤلؤ الانوار ۱: ۹۷

مجھے نہ دیکھا ہوتا تو میں تیرے پاس نہ آتا“ ﴿۳۱﴾۔ شیخ کا بیان ہے کہ ایک سفر میں مجھے پیاس لگی اور میں پیاس سے نڈھال ہو کر گر گیا۔ اس دوران میں نے دیکھا کہ میرے چہرے پر کوئی پانی چھڑک رہا ہے۔ آنکھ کھولی تو دیکھا کہ ایک خوبرو انسان گھوڑے پر سوار ہے۔ اس نے مجھے پانی پلایا اور کہا کہ میرے پیچھے سواری پر سوار ہو جاؤ۔ اس وقت میں حجاز میں تھا۔ کچھ دیر کے بعد اس نے مجھ سے کہا، کیا نظر آتا ہے؟ میں نے کہا ”مدینہ“ اس نے کہا ”اتر جاؤ اور رسول اللہ ﷺ سے میرا سلام کہنا کہ آپ کا بھائی حضرت خضر سلام عرض کرتا ہے“ ﴿۳۲﴾

ابو بکر الہمدانی (المتوفی ۳۱۶ھ - ۹۲۸ء) ﴿۳۳﴾ کا بیان ہے کہ میں کئی روز تک حجاز کے جنگل میں رہا۔ میں نے ان دنوں میں کچھ نہیں کھایا تھا۔ مجھے گرم پھلیوں اور باب الطاق (بغداد کے ایک محلہ کا نام) کی روٹی کی خواہش ہوئی۔ مگر میں نے اپنے دل میں کہا کہ میں جنگل میں ہوں۔ میرے اور عراق کے درمیان بڑا فاصلہ ہے۔ میں اسی خیال میں تھا کہ دور سے ایک بدوی پکار رہا تھا ”گرم پھلیاں اور روٹی“ میں اس کی طرف بڑھا اور کہا کیا تمہارے پاس گرم پھلیاں اور روٹی ہے؟ اس نے کہا ”ہاں“ اس نے وہ چادر جو اس کے اوپر تھی کھولی اور روٹی اور پھلیاں نکالیں اور مجھ سے کہا ”کھاؤ“ میں نے کھائیں، اس نے پھر کہا ”کھاؤ“ میں نے کھائیں۔ جب اُس نے مجھ سے چوتھی بار کہا تو میں نے کہا تمہیں خدا کی قسم جس نے تمہیں میرے پاس بھیجا ہے، تم کون ہو؟ اس نے کہا ”میں خضر ہوں“ اس کے بعد وہ غائب ہو گیا اور مجھے نظر نہ آیا ﴿۳۴﴾

﴿۳۱﴾ البیع ص ۲۲۲

﴿۳۲﴾ الرسالة القصیرہ ص ۷۰۲

﴿۳۳﴾ ابو بکر محمد بن حسین بن احمد الہمدانی ثقہ راوی ہیں۔ مولانا جامی نے ان کا تذکرہ چند سطروں میں ”شیخ ابو بکر

ہمدانی“ کے زیر عنوان کیا ہے۔

﴿۳۴﴾ الرسالة القصیرہ ص ۷۱:۲

سفر میں بھٹکے ہوئے مسافروں کی رہنمائی کے علاوہ حضرت خضر بیماروں کے علاج کے لیے بھی مناسب مشورے دیتے ہیں۔ شیخ احمد بن ابی الحواری (المتوفی ۲۳۲ھ/۸۴۶ء) ﴿۳۵﴾ کہتے ہیں کہ محمد بن سماک (المتوفی ۱۸۳ھ/۷۹۹ء) ﴿۳۶﴾ بیمار پڑ گئے اور ہم آپ کا قارورہ لے کر طیب کے پاس گئے۔ طیب عیسائی تھا۔ ابھی ہم حیرہ اور کوفہ کے درمیان تھے کہ خوشبو سے معطر اور صاف ستھرے کپڑے زیب تن کیے ایک خوبصورت شخص ملا۔ اس نے ہم سے پوچھا کہ تم کہاں جا رہے ہو؟ ہم نے کہا کہ فلاں طیب کے پاس ابن سماک کا قارورہ دکھانے جا رہے ہیں۔ اس نے کہا ”سبحان اللہ تم ایک خدا دوست کے لیے خدا دشمن کی مدد چاہتے ہو۔ اسے زمین پر دے مارو اور جا کر ابن سماک سے کہو کہ درد کی جگہ پر ہاتھ رکھ کر پڑھے: وَبِالْحَقِّ أَنْزَلْنَاهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ط (سورہ بنی اسرائیل: ۱۰۵)

”اس (قرآن) کو ہم نے حق کے ساتھ نازل کیا ہے اور حق ہی کے ساتھ یہ نازل ہوا ہے۔“

اس کے بعد وہ شخص عائب ہو گیا، ہم نے اسے نہیں دیکھا۔ ہم ابن سماک کے پاس واپس آ گئے اور ان سے واقعہ بیان کیا۔ انھوں نے درد کے مقام پر ہاتھ رکھ کر وہی الفاظ پڑھے جو اُس شخص نے بتلائے تھے۔ انھیں اسی وقت آرام آ گیا، پھر فرمایا کہ وہ خضر علیہ السلام تھے ﴿۳۷﴾۔

شیخ عبدالوہاب شعرانی (۸۹۸-۹۷۳ھ/۱۳۹۲-۱۵۶۵ء) ﴿۳۸﴾ کے بیان کے مطابق حضرت خضر مشائخ سے بہ حالت بیداری ملاقات کرتے ہیں۔ اور مریدوں کو خواب

﴿۳۵﴾ شیخ ابوالحسن احمد بن الحواری کا مولد و مسکن دمشق ہے۔ شیخ ابوسلمان دارانی کے مرید تھے۔ پورا خاندان عبادت گزار رہا ہے۔ سفید الاولیاء ص ۱۳۵ نورج الانوار ۸۴:۱

﴿۳۶﴾ ابو العباس محمد مصنیع الشہور یہ ابن سماک، حضرت سفیان ثوری کے صحبت یافتہ زاہد گزرے ہیں۔ آپ کا شمار اولیائے حقہ میں ہوتا ہے۔ آپ کی وفات کوفہ میں ہوئی۔ سفید الاولیاء ص ۱۲۲

﴿۳۷﴾ الرسالۃ القصیر یہ ۷۰۶-۷۰۵:۲

﴿۳۸﴾ شیخ عبدالوہاب شعرانی، کثیر تصانیف، صوفی عالم اور شیخ ابن عربی کے افکار کے ترجمان ہیں۔ قاہرہ میں انتقال کیا۔ بحجم الوفین ۲۱۸:۶

میں آکر تصوف کی تعلیم دیتے ہیں، کیونکہ یہ لوگ بہ حالت بیداری حضرت خضر کے دیدار کی تاب نہیں لاسکتے ﴿۳۹﴾۔ حضرت خضر سے ملاقات کے لیے ضروری ہے کہ صوفی کوئی چیز اپنے پاس دوسرے دن کے لیے ذخیرہ نہ کرتا ہو۔ اس صورت میں ولی ہوتے ہوئے بھی بیداری میں حضرت خضر سے ملاقات ناممکن ہے۔ شیخ ابو عبد اللہ السیری (تیسری صدی) ﴿۴۰﴾ کے ساتھ حضرت خضر کی طویل ملاقاتیں ہوتی تھیں لیکن اچانک انہوں نے ملنا چھوڑ دیا۔ اس کے بعد حضرت خضر انہیں خواب میں دکھائی دئے۔ ابو عبد اللہ السیری نے ان سے پوچھا کہ حالت بیداری میں آپ ملاقات کرنے کیوں نہیں آتے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم اس آدمی کی صحبت میں نہیں رہتے جو کل کے لیے کوئی چیز موجود رکھے، کیا تم نے فلاں وقت اپنی بیوی سے نہیں کہا تھا کہ یہ درہم کل کے لیے موجود رکھ لو۔ شیخ نے جواب دیا ”ہاں یہ صحیح ہے“ ﴿۴۱﴾

صوفیاء کے یہاں حضرت خضر سے ملاقات کرنے کی آرزو ہر دور میں رہی ہے۔ شیخ نظام الدین اولیاء (۶۳۵-۷۲۵ھ/۱۲۴۱-۱۳۲۲ء) ﴿۴۲﴾ نے ایک خاص نماز صلوٰۃ الخضر کا ذکر کیا ہے۔ جو دس رکعات پر مشتمل ہوتی ہے۔ صلوٰۃ الخضر پانچ سلاموں کے ساتھ ظہر کے بعد پڑھی جاتی ہے۔ اس میں قرآن مجید کی آخری دس سورتیں پڑھی جاتی ہیں ﴿۴۳﴾۔ شیخ نظام الدین اولیاء کا کہنا ہے کہ جو شخص اس نماز کو پابندی کے ساتھ ادا کرتے رہے گا، اس کی ملاقات حضرت خضر کے ساتھ ضرور ہوگی ﴿۴۴﴾۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے آبائی قصبہ اوش

﴿۳۹﴾ شیخ عبدالوہاب شعرائی، تنبیہ المخرین، المطبعة المسمیہ مصر ۱۳۱۰ھ/۱۳۲۳ء ص ۵۲

﴿۴۰﴾ ابو عبد اللہ السیری کا شارح قدیم مشائخ میں ہوتا ہے آپ شیخ ابوتراب بخشی کی صحبت میں رہے ہیں۔ لؤلؤ الانوار ۹۰:۱

﴿۴۱﴾ تنبیہ المخرین ص ۵۲

﴿۴۲﴾ شیخ احمد بن محمد بن دانیال بدایونی المعروف بہ نظام الدین اولیاء سلسلہ ہشتیہ کے مشہور صوفی تھے۔ آپ کا مزار دہلی

میں مرجع خاص و عام ہے۔ آپ کے ملفوظات ”فوائد النواد“ کے نام سے جمع کیے گئے ہیں۔ سفینۃ الاولیاء ص ۹۷

﴿۴۳﴾ امیر حسن علامہ بحری۔ فوائد النواد، مطبع نولکھو رنگھو۔ بار چہارم ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء ص ۲۱

﴿۴۴﴾ فوائد النواد ص ۲۱

میں ایک غیر آباد مسجد تھی، اس مسجد میں ایک منارہ تھا جسے ہفت منارہ کہتے تھے۔ اس مسجد کے بارے میں لوگوں کا کہنا تھا کہ جو کوئی بھی اس مسجد میں ایک مخصوص دو گانہ ادا کرے اور ایک دعا ہفت دعا پڑھے، اس کی ملاقات حضرت خضر سے ہوتی ہے ﴿۳۵﴾۔ خواجہ بختیار کا کی سے کہا گیا کہ جو شخص منارہ کے اوپر ہفت دعا پڑھتا تھا، اسے خضر کی ملاقات نصیب ہوگی۔ خواجہ کو اشتیاق ہوا۔ انہوں نے ماہ رمضان کی ایک رات اس مسجد میں دو رکعت نماز پڑھی اور منارہ پر جا کر مذکورہ دعا پڑھ کر نیچے اتر آئے۔ تھوڑی دیر انتظار کیا مگر کوئی شخص ظاہر نہیں ہوا۔ مایوسی کی حالت میں گھر لوٹنے لگے۔ مسجد کے باہر ایک شخص ملا۔ اس نے خواجہ سے پوچھا کہ تم اتنی دیر یہاں کیا کر رہے ہو؟ خواجہ نے اپنا مدعا بیان کیا، تو اس شخص نے کہا خضر تو خود سرگردان ہے، اس سے مل کر تمہیں کیا ملے گا؟ کیا کوئی حاجت ہے؟ خواجہ نے جواب دیا ”نہیں“۔ اس شخص نے پوچھا تو کیا تمہارے اوپر کوئی قرضہ ہے؟ خواجہ نے جواب دیا ”نہیں صرف ملاقات کی آرزو ہے“۔ اس شخص نے کہا ”اسی شہر میں ایک بزرگ ہیں، جن کی ملاقات کو خضر بارہ مرتبہ ان کے پاس گئے، لیکن انھوں نے دروازہ نہیں کھولا“۔ اتنے میں ایک نورانی صورت پاک جامہ بزرگ نمودار ہوئے۔ تو پہلے شخص نے انہیں سلام کیا اور خواجہ بختیار کا کی کے بارے میں ان سے کہا ”ان کے اوپر نہ تو کوئی قرضہ ہے اور نہ ہی یہ دنیا کے طلب گار ہیں۔ انہیں بس آپ سے ملاقات کی آرزو ہے۔ اسی اثناء میں اذان ہوئی تو ادھر ادھر بہت سے صوفیا جمع ہو گئے، اور مسجد میں نماز تراویح کی جماعت کھڑی ہو گئی۔ بزرگ نے آگے بڑھ کر نماز پڑھائی، تراویح میں بارہ پارے قرأت کی، لیکن امام کسی کو نظر نہ آئے۔ نماز ختم ہوئی اور سب لوگ چلے گئے۔ یہ بزرگ حضرت خضر تھے۔ اس طرح خواجہ بختیار کا کی کو حضرت خضر کی ملاقات نصیب ہوئی ﴿۳۶﴾

﴿۳۵﴾ فوائد الغواد ص ۲۱، سید محمد مبارک علوی کرمانی (میر خور) سیر الاولیاء، اسلام آباد/ لاہور ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء ص ۶۱

﴿۳۶﴾ فوائد الغواد ص ۱۲۳-۱۲۴، سیر الاولیاء ص ۶۱

حضرت خضر کے ساتھ ملاقات کرنا اور ان کی صحبت رکھنا ہر دور میں صوفی کے دل کی آرزو رہی ہے۔ شیخ ابوبکر کتانی (المتوفی ۱۳۲۲/۹۳۲) ﴿۴۷﴾ کے بارے میں آیا ہے کہ وہ حضرت خضر کے مصاحبین میں سے تھے ﴿۴۸﴾۔ شیخ ابراہیم خواص بھی حضرت خضر کے ہم صحبت رہے ہیں ﴿۴۹﴾۔ تاہم تصوف میں ایک مرحلہ ایسا بھی آتا ہے جب حضرت خضر کی صحبت کو بھی توکل کے خلاف سمجھا جاتا ہے۔ شیخ ابراہیم خواص سے کہا گیا کہ اپنے سفروں کے دوران آپ نے سب سے عجیب چیز جو دیکھی ہے اس کے بارے میں کچھ بتائیں۔ انھوں نے جواب دیا ”حضرت خضر نے مجھ سے ملاقات کی اور کہا کہ میں سفر میں تمہارا ساتھ دوں گا۔ میں نے اس بنا پر انکار کیا کہ کہیں سفر میں ان (پر اعتماد کرنے) سے سکون پا کر میرا توکل مجروح نہ ہو جائے ﴿۵۰﴾۔ شیخ ابوبکر ہلالی (وفات نامعلوم) ﴿۵۱﴾ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تھے کہ انھیں خضر کا دیدار نصیب ہو جائے۔ ایک مدت بعد حضرت خضر نے ان کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا، اندر سے آواز آئی ”کون ہو؟“ حضرت خضرؑ نے جواب دیا ”میں خضر ہوں جس سے تم ملنے کے خواہش مند تھے۔“ شیخ نے جواب دیا ”جس کے لیے تلاش کیا تھا اسے ہم نے پایا، سلامتی کے ساتھ واپس جاؤ“ ﴿۵۲﴾

بعض بزرگ حضرت خضرؑ کو ”خلاف توکل“ زندگی گزارنے پر تنبیہ بھی کرتے تھے۔ شیخ نظام الدین اولیاء کا بیان ہے کہ ایک بزرگ نے پانی پر مصلے بچھایا تھا اور نماز پڑھ کر یہ دعا ﴿۴۷﴾ محمد علی بن جعفر بغدادی، ابوبکر کتانی کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کا شمار صوفیاء کے طبقہ چہارم میں ہوتا ہے۔ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی کی صحبت میں رہے۔ بعد میں برسوں مکہ معظمہ میں رہے اور وہیں انتقال کیا۔ دیکھیے: سفینۃ الاولیاء ص ۱۳۵، اوراق الانوار ۱: ۱۱۰

﴿۴۸﴾ سفینۃ الاولیاء ص ۱۳۶

﴿۴۹﴾ سفینۃ الاولیاء ص ۳۶

﴿۵۰﴾ الرسائل القشمریہ ۲: ۱۳۷، کشف المحجوب ص ۱۳۹

﴿۵۱﴾ شیخ ابوبکر ہلالی کا سال وفات معلوم نہ ہو سکا۔

﴿۵۲﴾ الکواکب الدررۃ ۲: ۲۰۴

مانگ رہا تھا کہ ”اے خدا خضر گناہ کبیرہ کا ارتکاب کر رہے ہیں انھیں توبہ کی توفیق بخش“۔ اسی اثناء میں حضرت خضر حاضر ہوئے۔ انھوں نے کہا: میں نے کیا گناہ کبیرہ کیا ہے کہ اس سے توبہ کروں۔ بزرگ نے کہا: ”تم نے بیابان میں ایک درخت لگایا ہے اس کے سایہ میں بیٹھتے ہو اور کہتے ہو کہ میں نے یہ کام خدا کے لیے کیا ہے“۔ حضرت خضر نے استغفار کیا۔ بعد ازاں بزرگ نے ترک دنیا کا ذکر کرتے ہوئے حضرت خضر سے کہا کہ اس طرح رہا کرو جس طرح میں ہوں۔ حضرت خضر نے کہا آپ کس طرح رہتے ہیں اور کیا کرتے ہیں؟ بزرگ نے کہا ”میں اس طرح ہوں کہ اگر ساری دنیا مجھے دیں اور یہ کہیں کہ اس کو قبول کیجئے، آپ سے کوئی حساب نہیں لیا جائے گا اور یہ بھی کہیں کہ اگر قبول نہیں کرو گے تو تمہیں دوزخ میں ڈالا جائے گا۔ میں دوزخ قبول کروں گا، دنیا قبول نہیں کروں گا۔“ حضرت خضر نے پوچھا کیوں؟ بزرگ نے جواب دیا۔ ”دنیا اللہ تعالیٰ کی مغفوض ہے، وہ چیز جسے اللہ تعالیٰ دشمن رکھتا ہے، میں اس کے بدلے دوزخ قبول کروں گا اسے قبول نہیں کروں گا“ ﴿۵۳﴾

حضرت خضر کی شناخت صوفیاء کے یہاں دشوار نہیں ہے۔ بعض بزرگ انھیں دیکھتے ہی پہچان لیتے ہیں۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ (۳۷۱-۵۶۱ھ/۱۰۷۸-۱۱۶۶ء) ﴿۵۴﴾ ایک روز منبر پر علوم و معارف بیان کر رہے تھے کہ وہاں سے حضرت خضر گزرے۔ انھیں دیکھ کر شیخ جیلانی نے کہا ”اے اسرائیلی آؤ اور ایک محمدی کا کلام سن لو“ ﴿۵۵﴾

﴿۵۳﴾ فوائد القواد ص ۸۲-۸۳ سید مظفر علی شاہ، جواہر نفی، مطبع دولکشور ۱۸۹۸ء ص ۳۵۶

﴿۵۴﴾ ابو محمد عبدالقادر بن موسیٰ بن عبداللہ بن جنکلی دوست بلرستان کے مصافات میں واقع جیلان نامی مقام پر پیدا ہوئے۔ علوم ظاہری و باطنی بغداد میں حاصل کیے۔ ان کی تصنیف میں غنیۃ الطالبین، فتوح الغیب اور الفتح الربانی مشہور ہیں۔ سلسلہ قادریہ کے بانی ہیں۔ آپ کا مزار بغداد میں ہے۔ سفینۃ الاولیاء ص ۳۳

﴿۵۵﴾ مجد الف ثانی، المختبات من المکتوبات (مکتوب ۵۶) استبول۔ ترکی ص ۱۵۱، بعض علماء کے نزدیک یہ کلام حضرت خضر کے اسرائیلی ہونے کی دلیل ہے۔ لیکن یہ رائے عمل نظر ہے کیونکہ حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کی طرف مبعوث تھے اور حضرت خضر ان کے قبیحین میں سے نہیں تھے۔ دیکھئے مجموع فتاویٰ ۳۲۵: ۱۱، ۶۰۷ عبد اللہ بن شوذب کا قول ہے کہ ”خضر اولاد قار سے اور الیاس بنی اسرائیل سے ہیں۔“ دیکھئے قصص الانبیاء اسکی بالعبرائیس ص ۲۴۱ تاریخ الطبری ۲۲۰: ۱ اکال فی تاریخ ۱۶۰: ۱

بعض عارفین نے ان کی شناخت کی نشانی یہ بتائی ہے کہ ان کے ہاتھ کی بیچ والی انگلی دوسرے لوگوں کی طرح لمبی نہیں بلکہ انگشت شہادت کے برابر ہے۔ ایک اور رائے یہ ہے کہ ان کے دائیں ہاتھ کے انگوٹھے میں ہڈی نہیں ہے۔ چنانچہ مصافحہ کرتے وقت جو لوگ ملاقاتی کا انگوٹھا دبا لیتے ہیں وہ حضرت خضر کی شناخت کے لیے ایسا کرتے ہیں۔

تاریخ و سیر اور تصوف کی کتابوں میں حضرت خضر کے خدوخال اور ان کے اخلاق و عادات کے بارے میں جو تفصیلات ملتی ہیں، ان کے مطابق حضرت خضر دراز قامت، کبیر قامت، اور باریک سر ہیں ﴿۵۶﴾۔ سر اور داڑھی کے بال سفید ہیں، ان کے جسم کی ہڈیاں بڑی بڑی، شانے چوڑے اور سینہ کشادہ ہے ﴿۵۷﴾۔ ایک اور روایت کے مطابق حضرت خضر بلند قامت، امردوش سبزی مائل، دراز مو، تنگ عارض، کشادہ ابرو، ہاتھ پاؤں قدرے سخت، نرم خو، غمزہ بسام، کم التفات، سبک گام، کوتاہ جامہ، کہنہ دستار، درشت جامہ، بے تکلف اور بے رعوت اچانک نمودار ہوتے ہیں، معلوم نہیں ہوتا کہ کہاں سے آئے۔ اس طرح غائب ہو جاتے ہیں کہ پتہ نہیں چلتا کہاں گئے ﴿۵۸﴾۔ آں حضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے ہر پانچ سو سال بعد حضرت خضر کے نئے دانت نکل آتے تھے۔ بعثت نبوی ﷺ کے بعد سے ہر ایک سو بیس سال کی مدت کے بعد ان کے نئے دانت نکل آتے ہیں ﴿۵۹﴾۔ چنانچہ ۷۲۱ھ (جو کہ علاء الدین سنمانی کی عروہ کا زمانہ تالیف ہے) حضرت خضر کے دانتوں کی تجدید کا سال تھا ﴿۶۰﴾

﴿۵۶﴾ رسالہ ابدالہ ص ۲۹

﴿۵۷﴾ الاسابہ ۳۱۱:۲

﴿۵۸﴾ جواہر غیبی، کنز چہارم ص ۳۵۲

﴿۵۹﴾ رسالہ ابدالہ ص ۳۲-۳۳، مراۃ الاسرار ۳۵:۱

﴿۶۰﴾ مراۃ الاسرار ۳۵:۱

صوفیا کے بیان کے مطابق حضرت خضر جب بیمار ہوتے ہیں تو خود اپنا علاج کرتے ہیں ﴿۶۱﴾۔ صاحب مرآۃ الاسرار کے مطابق ایک مرتبہ مدینہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں شتر بانوں میں لڑائی ہوئی۔ حضرت خضر بیچ میں تھے۔ ایک پھر ان کے سر پر آگاہ جس سے وہ زخمی ہوئے اور تین ماہ تکلیف میں مبتلا رہ کر ٹھیک ہوئے ﴿۶۲﴾

حضرت خضر کا لباس ایک ازار اور ایک چادر ہے، جو کبھی بوسیدہ نہیں ہوتے ﴿۶۳﴾۔ ایک روایت کے مطابق وہ محرم کے دو مونے کپڑوں میں ملبوس ہوتے ہیں ﴿۶۴﴾۔ حضرت خضر بہ کثرت مراقبہ کرتے ہیں۔ وقار و تمکنت کے ساتھ رہتے ہیں ﴿۶۵﴾۔ خوش اخلاق، جوانمرد ہیں، تمام لوگوں پر مشفق ہیں ﴿۶۶﴾۔ لوگوں کو نقدی اور قیمتی کپڑے عطیات میں دیتے ہیں ﴿۶۷﴾۔ بہت سے علوم میں درک رکھتے ہیں ﴿۶۸﴾۔ بہ طور کرامت علم کیمیا سے بھی واقف ہیں ﴿۶۹﴾۔ زمین کے تمام خزانے (دینے) آپ کو معلوم ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے مطابق اہل حاجت پر سخاوت کرتے ہیں۔ مقروض لوگوں کی مدد کرتے ہیں البتہ اپنی ذات کے لیے یا اپنے ان دس ساتھیوں کے لیے جو ان کے ہمراہ ہوتے ہیں۔ ان خزانوں میں کوئی تصرف نہیں کرتے ﴿۷۰﴾۔ صوفیا کا بیان ہے کہ حضرت خضر بازار میں گھوم کر کوئی چیز خریدتے ہیں اور پھر اسے بیچتے ہیں ﴿۷۱﴾۔ وہ دلالوں کے بھیس میں ہوتے ہیں اور دلالی کر کے اجرت لیتے ہیں ﴿۷۲﴾

﴿۶۱﴾ مرآۃ الاسرار ۳۵:۱، رسالہ ابدالیہ ص ۳۲	﴿۶۲﴾ مرآۃ الاسرار ۳۵:۱
﴿۶۳﴾ الکواکب الدرریہ ۳۹:۱	﴿۶۴﴾ الاصابہ ۳۱۱:۲
﴿۶۵﴾ رسالہ ابدالیہ ص ۳۰	﴿۶۶﴾ مرآۃ الاسرار ۳۵:۱
﴿۶۷﴾ مرآۃ الاسرار ۳۵:۱	﴿۶۸﴾ رسالہ ابدالیہ ص ۳۰
﴿۶۹﴾ مرآۃ الاسرار ۳۵:۱	﴿۷۰﴾ مرآۃ الاسرار ۳۵:۱
﴿۷۱﴾ رسالہ ابدالیہ ص ۳۳	﴿۷۲﴾ رسالہ ابدالیہ ص ۳۳، مرآۃ الاسرار ۳۵:۱

اہل حال کے مطابق حضرت خضر اچھی آواز کو پسند کرتے ہیں۔ مجلس سماع میں بہ امر حق تعالیٰ حاضر ہو کر رقص کرتے ہیں اور وجد کرتے ہیں۔ ایک دن رات یا اس سے زیادہ وجد کی حالت میں رہتے ہیں ﴿۷۳﴾۔ چنانچہ صوفیا میں مشہور ہے کہ حضرت خضر اکثر نظام الدین اولیاء کی مجلس سماع میں حاضر ہو کر ان کا ساتھ دیتے تھے ﴿۷۴﴾

ایک بیان کے مطابق حضرت خضر بیت المقدس میں باب الرحمہ اور باب الاسباط کے درمیان رہتے ہیں ﴿۷۵﴾۔ جب کہ ایک دوسرے قول میں کہا گیا ہے کہ حضرت خضر و حضرت الیاس بیت المقدس میں ماہ رمضان کے روزے گزارتے ہیں ﴿۷۶﴾۔ وہ ہر جمعہ کی نماز پانچ مسجدوں، مسجد الحرام، مسجد نبوی، مدینہ طیبہ، مسجد اقصیٰ اور مسجد قبا میں ادا کرتے ہیں، جمعہ کی رات جبل طور کی مسجد میں نماز پڑھتے ہیں ﴿۷۷﴾۔ بخارا کے مشائخ کا بیان ہے کہ ماہ رجب کی پہلی جمعہ کو حضرت خضر بخارا میں ہوتے ہیں۔ اس خوشی میں بخارا اور سمرقند والے عید مناتے ہیں۔ ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں اور اس امید میں ایک دوسرے سے مصافحہ کرتے ہیں تاکہ حضرت خضر کو پاس لیں ﴿۷۸﴾

ایک بیان میں آیا ہے کہ حضرت خضر ہر جمعہ کو سانپ کی چھتری اور اجوائن کے دولقے کھاتے ہیں، مکہ میں چاہ زمزم اور بیت المقدس میں واقع حوض سلیمان سے پانی لیتے ہیں، اور سلوان کے چشمے میں نہاتے ہیں ﴿۷۹﴾۔ حضرت خضر اور حضرت الیاس ہر رات ذوالقرنین

﴿۷۳﴾ مراۃ الاسرار ۳۵:۱ رسالہ ابدالیہ ص ۳۳

﴿۷۴﴾ مراۃ الاسرار ۳۵:۱-۳۶

﴿۷۵﴾ تاریخ الخلیس ۱۲:۱

﴿۷۶﴾ البدایہ و النہایہ ۳۳۳:۱

﴿۷۷﴾ تاریخ الخلیس ۱۲:۱

﴿۷۸﴾ رسالہ ابدالیہ ص ۳۳-۳۲

﴿۷۹﴾ تاریخ الخلیس ۱۲:۱

کی بنائی ہوئی دیوار پر ملاقات کرتے ہیں۔ دونوں اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ دونوں ہر سال حج کرتے ہیں۔ دونوں کو کوئی نہیں دیکھتا سوائے اس شخص کے جسے اللہ تعالیٰ ان کی ملاقات سے فیض یاب کرنا چاہتا ہو، دونوں کی غذا سانپ کی چھتری اور اجوائن ہے ﴿۸۰﴾۔ دونوں آب زمزم کا ایک گھونٹ پانی پی لیتے ہیں جو آنے والے سال کے لیے کافی ہوتا ہے ﴿۸۱﴾۔ خیر المجالس میں آیا ہے کہ حضرت خضر سے پوچھا گیا کہ حضرت آپ کی غذا کیا ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ جب سے میں سال میں ایک بار فضیل بن عیاض (۱۰۵-۱۸۷ھ) ﴿۸۲﴾ کو دیکھتا ہوں، دوسرے سال تک غذا اور پانی کی حاجت نہیں رہتی ﴿۸۳﴾۔ بعض روایات کے مطابق حضرت خضر اور حضرت الیاس ہر سال موسم حج میں ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں اور ایک دوسرے کا سر مونڈتے ہیں ﴿۸۴﴾۔

مولانا شیخ یعقوب چرنی کے بیان کے مطابق حضرت خضر صالحین کی زیارت کو جاتے ہیں، نماز جمعہ ادا کرتے ہیں ﴿۸۵﴾ اور کلام اللہ کا استماع کرتے ہیں ﴿۸۶﴾۔ نیز ہر سال دوبار اولیا کے ساتھ ملاقات کرتے ہیں۔ ایک بار یہ ملاقات عرفات میں حج کے موسم میں ہوتی ہے اور دوسری بار ماہ رجب میں اس مقام پر جہاں اولیا کو جمع ہونے کے لیے کہا جاتا ہے ﴿۸۷﴾۔

﴿۸۰﴾ تاریخ الخبیس ۱۲:۱ الہدایہ و النہایہ ۳۳۳-۳۳۴

﴿۸۲﴾ ابوطی فضیل ابن عیاض حدیث میں ثقہ اور زہد و تقویٰ میں اپنی مثال آپ تھے۔ سرقت میں پیدا ہوئے۔ ابیورد میں پرورش پائی، کوفہ میں سکونت اختیار کی اور کہ میں وفات پائی۔ امام اعظم کے دوست اور شاگرد تھے۔ امت کے جلیل القدر صلحاء میں شمار ہوتے ہیں۔ تذکرۃ الحفاظ ۲۲۵:۱، شیعۃ الاولیاء ص ۸۶، لؤلؤ الانوار ۶۸:۱

﴿۸۳﴾ خیر المجالس ص ۲۰۹ ﴿۸۴﴾ تاریخ الخبیس ۱۲:۱

﴿۸۵﴾ رسالہ ابدالیہ ص ۳۳

﴿۸۶﴾ رسالہ ابدالیہ ص ۳۳

﴿۸۷﴾ رسالہ ابدالیہ ص ۳۳

صوفیا کے بقول حضرت خضر نے بہ کثرت نکاح کیے ہیں۔ ان کی اولاد بھی بے شمار ہے ﴿۸۸﴾۔ لیکن ان کے بیوی بچے ان کو نہیں پہچانتے ﴿۸۹﴾۔ نکاح کے وقت حضرت خضر قاضی کے سامنے اپنا نام مغربی بتاتے ہیں ﴿۹۰﴾۔ لیکن بعد میں انھوں نے نکاح کرنا ترک کر دیا، ان کی اولاد بھی باقی نہیں رہی ہے ﴿۹۱﴾۔ مراۃ الاسرار کے مصنف نے ”عروہ“ کے حوالے سے لکھا ہے کہ اب (۱۳۲۱ھ/۱۹۰۲ء) سے ٹھیک ایک سو بیس سال سات ماہ پہلے حضرت خضر نے شادی کرنا ترک کیا ہے ﴿۹۲﴾۔ اس لحاظ سے سنہ ۶۰۰ھ/۱۲۰۳ء کے بعد سے حضرت خضر نے کوئی نکاح نہیں کیا ہے۔ حضرت خضر بعض مشائخ کو اپنا فرزند بھی بنا لیتے ہیں۔ چنانچہ صوفیا میں مشہور ہے کہ خواجہ عبدالحق غجدوانی (المتوفی ۵۷۵ھ/۱۱۷۹ء) ﴿۹۳﴾ کو حضرت خضر نے اپنی فرزندگی میں قبول فرمایا تھا ﴿۹۴﴾۔

حضرت خضر نزول وحی سے پہلے آں حضرت ﷺ کی صحبت میں رہتے تھے لیکن آنحضرت ﷺ انھیں پہچانتے نہیں تھے ﴿۹۵﴾۔ مولا نایعوب چرنی کا بیان ہے کہ جنگ تبوک میں عصر کی نماز کے بعد دو اشعار سنے گئے لیکن صحابہ کو کسی انسان کی شکل نظر نہیں آئی۔ آں حضرت ﷺ نے فرمایا کہ یہ میرے بھائی خضر تھے جو آپ لوگوں کی مدح کر رہے تھے، وہ دو شعر ہیں:

﴿۸۸﴾ رسالہ ابدالیہ ص ۳۳ ﴿۸۹﴾ رسالہ ابدالیہ ص ۳۳

﴿۹۰﴾ رسالہ ابدالیہ ص ۳۳ ﴿۹۱﴾ مراۃ الاسرار ص ۲۵:۱

﴿۹۲﴾ رسالہ ابدالیہ ص ۳۲ مراۃ الاسرار ص ۲۵:۱

﴿۹۳﴾ خواجہ عبدالحق غجدوانی بخارا کے ایک نوابی قصبہ غجدوان میں پیدا ہوئے۔ سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت ہوئے۔ ہوش دردم، نظر بر قدم، سفر در وطن، خلوت در انجمن، یاد کرد بازگشت، نگاہداشت، یادداشت کے مصطلحات انھیں نے استعمال کیے۔ آپ کا مزار غجدوان میں ہے۔ نجات الانس ص ۲۳۲، سفیدۃ الاولیاء ص ۷۶

﴿۹۴﴾ نجات الانس ص ۲۳۲، سفیدۃ الاولیاء ص ۷۶

﴿۹۵﴾ رسالہ ابدالیہ ص ۳۳

فوارس هیجاء ادام الیوم الیوم رہابین ظلماً اذاللیل اللیل
رجال محارب حرب مکسبهم لدی رامیم انفالهم الثقل

ایک بزرگ کا بیان ہے کہ میں نے یہ دونوں اشعار اپنی کتاب کی پشت پر تحریر کیے تھے۔
ایک روز حضرت خضر نے دیکھا تو مسکرا کر کہا کہ یہ دونوں شعر شاعری کی طرح لوگوں میں باقی
رہیں گے ﴿۹۶﴾

بعض صوفیا حضرت خضر کو نقیب الاولیاء بھی کہتے ہیں۔ حضرت خضر کے ہمراہ بڑی عمر کے
دس بزرگ بھی ہوتے ہیں۔ یہ لوگ حضرت خضر کی خدمت کرتے ہیں۔ خاص طور پر بیماری
میں ان کا بہت خیال رکھتے ہیں ﴿۹۷﴾۔ اکثر حضرت خضر اقطاب و ابدال کی مصاحبت میں
ہوتے ہیں ﴿۹۸﴾

مولانا جرنی کے بقول حضرت خضر شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل پیرا ہیں ﴿۹۹﴾۔
نیز ان کے بیان کے مطابق حضرت خضر اور حضرت الیاس سمیت جملہ اولیاء غیب و شہادت اہل
سنت والجماعت کے مذہب پر ہیں ﴿۱۰۰﴾۔ مراۃ الاسرار کے مصنف کے بقول عروہ میں لکھا
ہے کہ اس زمانہ (۷۲۱ھ میں جب عروہ لکھی جا رہی تھی) میں حضرت خضر قطب اور ابدال امام
شافعی کے مسلک کے مطابق نماز ادا کرتے تھے ﴿۱۰۱﴾

﴿۹۶﴾ رسالہ ابدالیہ ص ۳۱

﴿۹۷﴾ رسالہ ابدالیہ ص ۲۹

﴿۹۸﴾ مراۃ الاسرار ۳۶:۱

﴿۹۹﴾ رسالہ ابدالیہ ص ۳۰

﴿۱۰۰﴾ رسالہ ابدالیہ ص ۳۶

﴿۱۰۱﴾ مراۃ الاسرار ۳۶:۱، دریں زمان خضر و قطب و ابدال موافق مذہب امام شافعی نمازی گذارند۔

حضرت مجدد الف ثانی (۹۷۱-۱۰۳۳ھ/۱۵۶۳-۱۶۲۴ء) ﴿۱۰۲﴾ اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

”بہت سے یارانِ طریقت حضرت خضر کے خیالات کی نسبت دریافت کیا کرتے تھے۔ فقیر کو ان کے بارے میں پوری پوری اطلاع نہ تھی اس لیے جواب میں توقف کیا کرتا تھا۔ آج صبح کے حلقہ میں دیکھا کہ حضرت الیاس و حضرت خضر روحانیوں کی صورت میں ظاہر ہوئے اور تلقی روحانی یعنی روحانی ملاقات سے حضرت خضر نے فرمایا کہ ہم عالم ارواح میں سے ہیں۔ حق سبحانہ و تعالیٰ نے ہماری ارواح کو ایسی قدرست کاملہ عطا فرمائی ہے کہ اجسام کی صورت میں تشمل ہو کر وہ کام جو جسموں سے وقوع میں آئیں یعنی جسمانی حرکات و سکنات و جسدی طاعات و عبادات ہماری ارواح سے صادر ہوتی ہیں۔ اس اثناء میں پوچھا کہ آپ امام شافعی کے مذہب کے موافق نماز ادا کرتے ہیں؟ فرمایا کہ ہم شراہج کے ساتھ مکلف نہیں ہیں لیکن چونکہ قطب مدار کے کام ہمارے سپرد ہیں اس لیے ہم اس کے پیچھے امام شافعی کے موافق نماز ادا کرتے ہیں، اس وقت یہ بھی معلوم ہوا کہ ولایت کے کمالات فقہ شافعی کے ساتھ موافقت رکھتے ہیں اور کمالات نبوی کی مناسبت فقہ حنفی کے ساتھ ہے۔ اگر بالفرض اس امت میں کوئی پیغمبر مبعوث ہوتا تو فقہ حنفی کے موافق عمل

﴿۱۰۲﴾ شیخ احمد بن عبد الاحد کالی سربندی المعروف بہ مجدد الف ثانی سربند میں پیدا ہوئے۔ مولانا کمال کشمیری (م ۱۶۰۸/۱۰۱۷) سے سیالکوٹ میں علم حاصل کیا۔ سلسلہ نقشبندیہ کے شیخ خولجہ باقی باللہ (م ۱۰۱۳/۱۶۰۵ء) سے بیعت ہوئے۔ بدعات اور بادشاہوں کے سامنے تجرہ تحفیس سے انکار کیا اور وحدۃ الوجود کے نظریے کے بدلے وحدۃ الشہود کا نظریہ پیش کر کے برصغیر کے مسلمانوں کی امیدوں کا مرکز بن گئے۔ سربند میں دفن ہیں۔

کرتا۔ اس وقت حضرت خواجہ محمد پارسا کے اس سخن کی حقیقت واضح ہوئی
 جو انھوں نے فصول ستر میں نقل کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ نزول کے بعد امام
 اعظم کے مذہب کے موافق عمل کریں گے“ ﴿۱۰۳﴾

☆☆☆

﴿۱۰۳﴾ مکتوبات امام ربانی۔ مکتوب ۲۸۲ (فتر اول حصہ پنجم مکتوب بنام بدیع الدین)

حضرت خضر اور حیات جاوداں

حضرت خضر کی حیات کے بارے میں بعض علما کی رائے ہے کہ وہ وفات پا چکے ہیں۔ اکثر علما، مورخین، محققین اور صوفیا کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر کو بنی نوع انسان میں طویل ترین عمر عطا کی ہے۔ طویل العمر انسانوں کی تاریخ کے مورخ ابو حاتم بھتانی کہتے ہیں:

ان اطول بنی آدم عمرا الخضر واسمه خضرون بن

قابیل بن آدم علیہ السلام ﴿۱﴾

”بنی آدم میں سب سے طویل العمر حضرت خضر علیہ السلام ہیں۔ ان کا نام

خضرون بن قابیل بن آدم علیہ السلام ہے۔“

اس بیان کی روشنی میں حضرت خضر کی عمر اس وقت ساڑھے پانچ ہزار سال سے زائد ہونی چاہیے۔ تورات کے مطابق قابیل آدم کے پہلے بیٹے تھے۔ ان کے بعد ہابیل پیدا ہوئے۔ حضرت آدم کے تیسرے بیٹے حضرت شیث تھے۔ جن کی پیدائش کے وقت حضرت آدم کی عمر ایک سو تیس سال تھی۔ تورات کے بیان کے مطابق قابیل کی پیدائش کے وقت حضرت آدم کی عمر ایک سو تیس سال سے زائد نہیں ہو سکتی۔ یہودیوں کی تقویم کے مطابق حضرت آدم کی تخلیق سے ۲۰۱۰ء تک ۵۷۷۱ سال گزر چکے ہیں۔

﴿۱﴾ کتاب المہرین ص ۱۱، الاسابہ ۲۹۱:۲

آئرلینڈ کے آرچ بشپ جیمس آشیر نے ۱۶۵۰ء میں دعویٰ کیا کہ تخلیق کا واقعہ ۱۲۳ اکتوبر ۲۰۰۴ ق.م کو صبح ساڑھے نو بجے منگل کے روز ظہور پذیر ہوا ہے۔ ان کے بیان کے مطابق حضرت شیث کی پیدائش سے اب تک ۵۸۸۴ سال کی مدت گزری ہے۔ تورات کے مطابق حضرت شیث کی پیدائش سے لے کر اب تک ۵۶۴۱ سال کی مدت گزر چکی ہے۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ قابیل حضرت آدم کی تیسری اولاد حضرت شیث سے چند ہی سال بڑے تھے اور پھر ان کی اولاد کی پیدائش کے وقت سو سال فرض کی جائے تب بھی حضرت خضر یا خضر ون کی عمر ساڑھے پانچ ہزار سال سے اوپر ہونی چاہیے۔

حضرت خضر کو حضرت ابراہیم کا ہم عصر مانا جائے تو ان کی عمر کم و بیش چار ہزار برس ہونی چاہیے کیونکہ حضرت ابراہیم تخلیق آدم کے ۱۹۲۸ سال بعد پیدا ہوئے ہیں۔ اگر حضرت خضر کو حضرت موسیٰ کا ہم عصر مانا جائے تو حیات ہونے کی صورت میں اس وقت ان کی عمر ۳۴۰۰ برس کی ہوگی۔ سکندر یونانی کا ہم عصر ہونے کی صورت میں بھی حضرت خضر کی عمر اس وقت دو ہزار تین سو برس سے زائد ہونی چاہیے۔

حضرت خضر کے بعد انسانوں میں سب سے طویل العمر انسان حضرت نوح گزرے ہیں۔ جن کی عمر تورات کے مطابق بوقت وفات ۹۵۰ برس ﴿۲﴾ اور کتاب العمرین کے مطابق ۱۴۵۰ برس تھی ﴿۳﴾۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو انسانوں میں سب سے طویل العمر شخص حضرت خضر ہی ہیں۔

حضرت خضر کو سکندر یونانی کا ہم عمر ماننے کی صورت میں حضرت الیاس سب سے طویل العمر شخص قرار پائیں گے کیونکہ حضرت الیاس سکندر سے پانچ سو سال پہلے رہے

﴿۲﴾ تورات، کتاب پیدائش ۲۹:۹

﴿۳﴾ کتاب العمرین ص ۲۱

ہیں لیکن حضرت خضر کو سکندر کا ہم عمر اس لیے قرار نہیں دیا جاسکتا کہ قرآن اور حدیث کے مطابق حضرت خضر کے ساتھ حضرت موسیٰ کی ملاقات ہوئی ہے۔ حضرت الیاس اور سکندر دونوں حضرت موسیٰ کے بعد دنیا میں آئے ہیں۔ بعض علما کے نزدیک انبیاء کرام میں حضرت ادریس بھی بقید حیات ہیں۔ بعض صورتوں میں وہ حضرت خضر سے زیادہ طویل العمر انسان قرار پائیں گے مگر اللہ تعالیٰ نے انھیں آسمان پر اٹھالیا ہے اس لیے روئے زمیں پر سب سے زیادہ طویل العمر انسان حضرت خضر ہی ہیں۔

حضرت خضر کی حیات کے بارے میں علما کے درمیان اختلافات موجود ہیں۔ قرآن اور صحیح احادیث میں ایسی کوئی صراحت نہیں ملتی جس کی بنیاد پر ان کے حیات ہونے کے بارے میں کوئی حتمی رائے قائم کی جاسکے۔ حضرت خضر کی حیات جاوداں کی تائید میں جو روایات بیان کی جاتی ہیں ان میں سے اکثر روایات پر محدثین نے کلام کیا ہے۔ اس کے علاوہ مفسرین اور علما کی ایک جماعت نے ان کے حیات ہونے کا انکار کیا ہے۔

حضرت علی بن موسیٰ الرضا (۱۵۶-۲۰۸ھ/۷۷۲-۸۲۳ء) ؑ کے بارے میں آیا ہے کہ وہ حضرت خضر کی وفات کے قائل تھے ؑ (۵)۔ امام بخاری (۱۹۳-۲۵۶ھ/۸۰۹-۸۲۹ء) ؑ سے حضرت خضر کی حیات کے بارے میں سوال کیا گیا تو انھوں نے جواب دیا ”ایسا کس طرح ممکن ہے جبکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ صدی کے خاتمے پر ان میں سے

ؑ علی بن موسیٰ بن جعفر البہاشی الملقب الرضا، خانوادہ رسالت کے چشم و چراغ، اہل تشیع کے آٹھویں امام، تقویٰ اور پرہیزگاری کا بیکر تھے۔

ؑ الزہر النضر ص ۸۶

ؑ امام المحدثین ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری بخارا میں پیدا ہوئے۔ علم حدیث میں کمال حاصل کیا، صحیح بخاری تصنیف کی جسے اصح الکتاب بعد القرآن کہا جاتا ہے۔ امام بخاری کو امیر المؤمنین فی الحدیث کہتے ہیں۔ ان کی وفات سمرقند کے ایک دیہات خرنگ میں ہوئی اور وہیں دفن ہوئے۔

حضرت خضر: تحقیق کی روشنی میں

کوئی باقی نہیں بچے گا جو اس وقت زمین پر موجود ہیں“ ﴿۷﴾۔ امام ابراہیم حربی (۱۹۸-۲۸۵ھ/۸۱۵-۸۹۸ء) ﴿۸﴾ نے حضرت خضر کی حیات سے انکار کرتے ہوئے کہا کہ یہ شیطان ہے جس نے لوگوں کے درمیان یہ بات ڈال دی ہے ﴿۹﴾۔ ابوالحسن بن المنادی (المتوفی ۳۳۶ھ/۹۴۷ء) ﴿۱۰﴾ نے حضرت خضر کے متعلق ایک کتاب تصنیف کی ہے۔ انھوں نے حضرت خضر کی حیات کے بارے میں ابراہیم حربی کا قول نقل کیا ہے۔ ابوالحسن ابن المنادی بھی حضرت خضر کی حیات کے منکر تھے۔ علما نے ان کے انکار کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ اس شخص کے قول کو برا مانتے تھے جو یہ کہتا تھا کہ حضرت خضر زندہ ہیں ﴿۱۱﴾۔ ابوبکر بن محمد بن الحسین النقاش (۲۶۶-۳۵۱ھ/۸۸۰-۹۸۲ء) ﴿۱۲﴾ نے اپنی تفسیر ۴ میں حضرت خضر کی حیات کے باب میں امام علی بن موسیٰ الرضا اور امام بخاری کا انکار نقل کیا ہے۔ خود النقاش کا نام بھی ان علما میں شامل ہے جو حضرت خضر کی حیات کے منکر تھے ہیں ﴿۱۳﴾۔

- ﴿۷﴾ امام ابن قیم الجوزیہ۔ المنار المہیف، تحقیق عبد الفتاح ابوغده، مکتب المطبوعات اسلامیہ حلب، الطبعة الأولى ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۲ء، ص ۷۲، الزہر البصر ص ۸۶-۸۷
- ﴿۸﴾ ابواسحاق ابراہیم بن اسحاق البغدادی بغداد کے عالم تھے۔ امام احمد بن حنبل کے اصحاب میں شمار ہوتے ہیں۔
- ﴿۹﴾ المنار المہیف ص ۶۷ الزہر البصر ص ۹۳ روح البانی ۱۵: ۳۲۰ ”من احال علی غائب لم یتصفد“
- منہ وما القی هذا بین الناس الا الشیطان
- ﴿۱۰﴾ ابوالحسن احمد بن جعفر بن المنادی البغدادی، بغداد کے عالم اور معنف تھے۔ انھوں نے نجوم فی اخبار الخضر لکھی ہے دیکھئے مقدمہ ”الزہر البصر ص ۳“
- ﴿۱۱﴾ الزہر البصر ص ۸۷-۸۸، ۹۲۔ المنار المہیف ص ۷۲
- ﴿۱۲﴾ ابوبکر بن محمد بن الحسین النقاش مفسر گزرے ہیں۔ ابن حجر نے حضرت خضر کی حیات کا انکار کرنے والوں میں ابوطاہر بن العبادی، ابوالفضل بن ناصر، قاضی ابوبکر ابن العربی اور النقاش کا نام بھی لیا ہے۔ دیکھئے: الزہر البصر ص ۸۹
- ﴿۱۳﴾ الزہر البصر ص ۸۶

ربی امام ابن حزم (۳۸۴-۴۵۶ھ/۹۹۳-۱۰۶۴ء) ﴿۱۳﴾ نے حضرت خضر کی بقایا حیات کہا کہ تصور کو اسراکیلی افکار کے اثرات کا نتیجہ کہا ہے ﴿۱۵﴾۔

بن قاضی ابویعلیٰ بن الفراء الحسلبی (المتوفی ۴۵۸ھ/۱۰۶۵ء) ﴿۱۶﴾ کا کہنا ہے کہ کیا ہمارے بعض دوستوں سے پوچھا گیا کہ کیا حضرت خضر وفات پا چکے ہیں؟ انھوں نے جواب میں ”ہاں“ ﴿۱۷﴾

۱۷ امام بخاری اور علماء حدیث کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ حضرت خضر کی وفات پہلی ہمدی ہجری کے اختتام سے پہلے ہوئی ہے ﴿۱۸﴾۔ قاضی ابوبکر ابن العربی (۳۶۸-۵۴۳ھ/۱۰۷۲-۱۱۴۸ء) ﴿۱۹﴾ کہتے ہیں کہ حضرت خضر نے رسول اللہ ﷺ کا زمانہ پایا ہے مگر ارشاد کیا ”یٰٰہو“ رانس مائتہ سنۃ لایبقی علی الارض ممن ہو علیہا احد“ کے مطابق انھوں نے پہلی صدی کے خاتمے سے پہلے وفات پائی ہے ﴿۲۰﴾

﴿۱۴﴾ ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم، نابغہ روزگار عالم، ظاہری فقہ کے عظیم فقیہ، علوم اسلامیہ کے جامع کا شمار اسلام کے کثیر تصانیف علماء میں ہوتا ہے۔ اکثلی ان کی مشہور تصنیف ہے۔ ان کی تحریروں کے بارے میں ابن العربی کا یہ قول مشہور ہے کہ ابن حزم کی زبان اور حجاج کی تلوار دو قوام بنش ہیں۔ آپ کا تعلق اندلس سے تھا۔

﴿۱۵﴾ امام ابن حزم۔ الفصل فی السمل والاہواء والنحل، دار لسنۃ بیروت لبنان، المطبعۃ الثانیہ ۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵ء، ۱۸۰:۴

﴿۱۶﴾ قاضی ابویعلیٰ محمد بن حسین بن محمد بن خلف ابن الفراء الحسلبی عراق کے فقیہ تھے۔

۱۷ الزہر البصر ص ۸۹، البدایہ والنہایہ ۱: ۳۳۵، ابن کثیر کے بقول ابوطاہر بن العباد کی رائے بھی یہی ہے۔ ان کی دلیل ہے کہ اگر وہ زندہ ہوتے تو رسول اللہ کی خدمت میں ضرور حاضر ہوتے۔ دیکھئے: قصص الانبیاء ۵۳۶:۲، البدایہ والنہایہ ۱: ۳۳۵، ابن حجر عسقلانی نے ابوطاہر بن العباد کا نام دیا ہے، دیکھئے: المسار المذیہ ص ۷۲

﴿۱۸﴾ الزہر البصر ص ۷۸، البدایہ والنہایہ ۱: ۳۳۶

﴿۱۹﴾ قاضی حافظ محمد بن عبد اللہ بن محمد الاشعری المعروف بہ ابوبکر ابن العربی اندلس کے آخری مشہور عالم اور حافظ حدیث ہیں۔ تفسیر، حدیث، فقہ اور دوسرے علوم میں گراں قدر تصنیفات چھوڑی ہیں جن میں احکام القرآن، عارضۃ الاخوانی اور العوام والنعوام مشہور ہیں۔ انوار البغری فی تفسیر القرآن میں برسوں میں تحریر کی۔ یہ کتاب اسی ہزار اوراق پر محیط ہے۔ مزار قاس میں ہے۔

﴿۲۰﴾ البدایہ والنہایہ ۱: ۳۳۶، الزہر البصر ص ۷۹ حیاۃ الحیوان الکبریٰ ۱: ۳۸۳

حضرت خضر: تحقیق کی روشنی میں

حافظ ابن جوزی (۵۰۸-۵۹۷ھ/۱۱۱۳-۱۲۰۱ء) ﴿۲۱﴾ نے حضرت خضر کے بارے میں منقول احادیث کو موضوع روایات پر اپنی تصنیف ”تذکرۃ الموضوعات“ (۱: ۱۹۳-۱۹) میں زیر بحث لایا ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے حضرت خضر کے بارے میں ”عجائب المنتظر فی شرح حال الخضر“ کے عنوان سے ایک مستقل کتاب تحریر کی ہے ﴿۲۲﴾ یہ کتاب انھوں نے اپنے ایک ہم عصر عالم، جوان کے ہم وطن اور ہم مسلک بھی تھے، کی تصنیف کی تردید میں لکھی ہے۔ حافظ ابن جوزی نے اپنی کتاب میں نقلی اور عقلی دلائل کی بنا پر حضرت خضر کے حیات ہونے کا انکار کیا ہے۔ ان کی اس کتاب کا تذکرہ ابن کثیر، ابن عسقلانی اور دوسرے ائمہ نے بھی کیا ہے۔ حیات خضر کے منکرین میں بعد کے علما نے زیادہ حافظ ابن جوزی ہی کے دلائل سے کام لیا ہے ﴿۲۳﴾

ابو عبد اللہ محمد بن ابی الفضل المرسی (المتوفی ۶۵۵ھ/۱۲۵۷ء) ﴿۲۴﴾ کے بارے میں ہے کہ وہ حضرت خضر کی وفات کے قائل ہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ صاحب موسیٰ حضرت خضر وفاقہ پا چکے ہیں کیونکہ اگر وہ زندہ ہوتے تو نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونا، ان پر ایمان لا اور ان کی اتباع کرنا ان کے لیے لازم تھا ﴿۲۵﴾

امام ابن تیمیہ (۶۶۱-۷۲۸ھ/۱۲۶۳-۱۳۲۸ء) ﴿۲۶﴾ سے حیات خضر کے بارے

﴿۲۱﴾ جمال الدین ابو القریب عبد الرحمن المعروف بہ ابن جوزی کا تذکرہ پہلے گزر چکا ہے۔

﴿۲۲﴾ المنار المہیئ کے محقق عبد الفتاح ابو غدہ نے حافظ ابن جوزی کی تصنیف کا نام مجلۃ المنتظر فی کشف حال الخضر دیا ہے ابن کثیر نے کتاب کا نام مجلۃ المنتظر فی شرح حال الخضر دیا ہے۔

﴿۲۳﴾ المنار المہیئ ص ۶۹-۷۰

﴿۲۴﴾ شرف الدین ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن محمد بن ابی الفضل المرسی ادیب اور عالم فاضل تھے۔ انھیں کئی علوم میں مہار حاصل تھی۔ انھوں نے تفسیر القرآن تصنیف کی ہے۔

﴿۲۵﴾ انوار الخضر ص ۸۷

﴿۲۶﴾ ابو العباس تقی الدین احمد بن شہاب الدین عبد الحلیم بن محمد الدین بن تیمیہ حرانی المعروف بہ ابن تیمیہ علوم اسلامیہ کے

میں دورائیں منقول ہیں۔ ایک فتویٰ میں وہ حضرت خضر کی حیات کے منکر ہیں ﴿۲۷﴾۔ ان سے حضرت خضر کے بارے میں سوال کیا گیا تو انھوں نے جواب دیا ”اگر حضرت خضر زندہ ہوتے تو ان کے لیے واجب تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے، ان کے سامنے جہاد کرتے اور ان سے علم حاصل کرتے جبکہ رسول اللہ نے بدر کے روز دعا کی:

اللّٰهُمَّ اِنْ تَهْلِكْ هَذِهِ الْعَصَابَةُ لَا تَعْبُدْ فِي الْاَرْضِ
”اے اللہ اگر یہ جماعت ہلاک ہو گئی تو روئے زمین پر تیری
عبادت نہیں کی جائے گی۔“

اور وہ تین سو تیرہ مرتبے جو اپنے ناموں، آباء اور قبائل کے ناموں سے معروف ہیں۔
اس وقت حضرت خضر کہاں تھے؟ ﴿۲۸﴾

ابو حیان (المتوفی ۴۴۵ھ/۱۳۴۳ء) بھی وفات خضر کے قائل ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ
جمہور کی رائے ہے کہ وہ وفات پا چکے ہیں ﴿۲۹﴾

امام ابن قیم (۶۹۱-۷۵۱ھ/۱۲۹۲-۱۳۵۰ء) ﴿۳۰﴾ نے المنار المنیف میں ابراہیم

بکریراں اور مجدد زمان تھے۔ انھوں نے قلم اور کوارڈوں سے اسلام کا دفاع کیا۔ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔
تفسیر، حدیث، فقہ، اور کلام میں شاندار تصنیفی ورثہ چھوڑا۔ آپ کا انتقال بیل میں ہوا۔ عالم اسلام کے مختلف شہروں
میں عاتبانہ نماز پڑھی گئی۔ اقصائے چین میں جمعہ کے روز منادی کی گئی، ”الصلوٰۃ علیٰ ترجمان القرآن۔“

﴿۲۷﴾ شیخ الاسلام امام بن تیمیہ۔ مجموع فتاویٰ، جمع وترتیب عبدالرحمن بن محمد بن قاسم العاصمی البغدادی الحسینی وابنہ محمد۔

مکہ/قاہرہ ۱۳۰۳ھ/۱۰۰:۲۷

﴿۲۸﴾ المنار المنیف ص ۶۸

﴿۲۹﴾ الزمر البصر ص ۸۷

﴿۳۰﴾ ابو عبد اللہ محمد بن ابی بکر بن ایوب بن سعد المعروف بہ ابن قیم الجوزیہ، امام ابن تیمیہ کے شاگرد رشید اور ان کے علمی
کمالات کا مظہر تھے۔ انھوں نے مختلف موضوعات پر علمی اور وقیع تحقیقات یادگار چھوڑی ہیں، جن میں اعلام
الموقعین، زاد العاد، مدارج السالکین اعلاہ اہل حقان مشہور ہیں۔ انھوں نے استاد کے ساتھ قید و بند کی صعوبتیں بھی اٹھائی
ہیں۔ ان کی سوانح مصر سے چھپ چکی ہے۔

حربی اور امام بخاری کے وہ اقوال نقل کیے ہیں جن میں حضرت خضر کی حیات کا انکار کیا گیا ہے۔ امام موصوف کا بیان ہے کہ ان دوائمہ کے علاوہ بہت سے علما سے اس بارے میں سوال کیا گیا تو انھوں نے جواب میں قرآن کی یہ آیت پڑھی:

وما جعلنا لبشر من قبلك الخلد

”اور ہم نے تم سے پہلے کسی بشر کو دائمی زندگی نہیں بخشی۔“

امام ابن قیم نے امام ابن تیمیہ کا فتویٰ اور حافظ ابن جوزی کے نقلی اور عقلی دلائل بھی پیش کیے ہیں جن سے حیات خضر کی نفی ہوتی ہے ﴿۳۱﴾

حافظ ابن کثیر (۷۰۱-۷۷۳ھ/۱۳۰۱-۱۳۷۲ء) نے بھی ابن جوزی کے دلائل کو نقل کیا ہے۔ انھوں نے ان روایات میں سے بعض کی اسناد کو منقطع کہا ہے۔ جو حضرت خضر سے ملاقات کے بارے میں بیان کی جاتی ہیں ﴿۳۲﴾

علماء نے ان احادیث کی صحت پر کلام کیا ہے جن میں حضرت خضر کی حیات کا ذکر آیا ہے، ابوالحسن ابن المنادی کا بیان ہے کہ کسی بھی حدیث سے ثابت نہیں ہے کہ آپ حیات ہیں ﴿۳۳﴾۔ ان کا قول ہے:

ولاحادیث المرفوعة في ذالك واهية ﴿۳۴﴾

”اور اس بارے میں (منقول) مرفوع احادیث واپس بات ہیں۔“

امام ابن قیم کہتے ہیں کہ وہ تمام احادیث جن میں حضرت خضر کی حیات کا ذکر آیا ہے سب کی سب جھوٹی ہیں ان کی زندگی کے متعلق ایک بھی حدیث صحیح نہیں ہے ﴿۳۵﴾۔

﴿۳۱﴾ النصار المذہب ص ۶۷-۶۸ ﴿۳۲﴾ البدایہ والنہایہ ۳۳۳:۱

﴿۳۳﴾ حیاة النبی ان الکبریٰ ۲۸۳:۱ ﴿۳۴﴾ الزمر المفسر ص ۹۲

﴿۳۵﴾ النصار المذہب ص ۶۷

حافظ زین الدین عراقی (۷۲۵ھ-۸۰۶ھ/۱۳۲۵-۱۴۰۳ء) ﴿۳۶﴾ نے احیاء علوم الدین میں منقول سبعات عشر کی روایت (جو ابراہیم کے بارے میں اوپر گزر چکی) کو رد کرتے ہوئے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حضرت خضر کی ملاقات یا عدم ملاقات کے بارے میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے ﴿۳۷﴾۔ شیخ مجد الدین شیرازی (المتوفی ۸۱۷ھ/۱۴۱۳ء) ﴿۳۸﴾ کا بیان ہے کہ حضرت خضر اور حضرت الیاس کی عمر اور اس کے طویل ہونے کے باب میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے ﴿۳۹﴾۔ ملا علی قاری (المتوفی ۱۰۱۳ھ/۱۶۰۶ء) ﴿۴۰﴾ موضوع احادیث کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ انہی (موضوعات) میں سے وہ تمام احادیث جو حضرت خضر اور ان کی زندگی سے متعلق ہیں سب کی سب جھوٹی ہیں، ان میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے ﴿۴۱﴾۔



﴿۳۶﴾ حافظ ابوالفضل زین الدین عبدالرحیم بن حسین عراقی شافعی مامور حافظ حدیث ہیں۔ آپ نے احیاء علوم الدین کے احادیث کی تخریج کی ہے۔ جو المغنی عن حمل الاسفار فی تخریج مافی الاحیاء من الاخبار کے عنوان سے احیاء علوم الدین کے حواشی پر مصر سے شائع ہوئی ہے۔

﴿۳۷﴾ المغنی علی حاشیاء علوم الدین ۳۳۶:۱

﴿۳۸﴾ مجد الدین ابوطاہر محمد بن یعقوب البغیر وزآبادی المعروف بہ مجد الدین شیرازی تفسیر، حدیث اور لغت کے امام تھے۔

﴿۳۹﴾ ابوطاہر محمد بن یعقوب البغیر وزآبادی (مجد الدین شیرازی)، سفر السعادة علی حاشی البغیر، القاهرة، الطبعہ الاخرہ

۱۳۷۰ھ/۱۹۵۱ء ۲: ۲۳۵

﴿۴۰﴾ شیخ علی بن سلطان محمد الہروی المعروف بہ ملا علی قاری یگانہ روزگاری محدث اور فقیہ جنہوں نے مختلف موضوعات پر نہایت کارآمد تصنیفات تحریر کی ہیں۔ جن میں مرقاۃ شرح مشکوٰۃ اور شرح نقایہ خاص طور پر مشہور ہیں۔

﴿۴۱﴾ امام ملا علی قاری۔ الموضوعات الکبیر، المطبع الریف الجبائی، دہلی ۱۳۱۵ھ م ۹۶-۹۷

منکرینِ حیات کے دلائل

حیاتِ خضر کے منکرین نے اپنا نکتہ نگاہ عقلی اور عقلی دلائل کی روشنی میں پیش کیا ہے۔ حافظ ابن جوزی نے حضرت خضر کے زندہ نہ ہونے پر چار چیزوں سے دلیل پیش کی ہے:

(۱) قرآن (۲) سنت (۳) اجماع محققین (۴) عقل

قرآن:- حافظ ابن جوزی کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ارشاد فرمایا ہے:

وما جعلنا لبشرٍ من قبلك الخلد

”اور ہم نے تم سے پہلے کسی بشر کو دائمی زندگی نہیں بخشی۔“

یہ آیت حضرت خضر کے حیات نہ ہونے کی دلیل ہے کیونکہ اگر خضر زندہ ہوں گے تو انہیں خلود یا ابدی زندگی دی گئی ہے، جو اس آیت کے منافی ہے۔ اگر حضرت خضر بشر ہیں تو وہ لامحالہ اس آیت کے عموم میں داخل ہوں گے۔ کسی صحیح دلیل کے بغیر انہیں اس آیت سے مستثنیٰ کرنا درست نہیں ہے ﴿۱﴾۔ حافظ ابن قیم کا بیان ہے کہ کئی ائمہ سے اس بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب میں قرآن کی یہی آیت پڑھی ﴿۲﴾

سنت:- حافظ ابن جوزی نے سنت سے یہ دلیل دی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (اپنی حیات کے آخری دنوں میں ایک رات عشاء کی نماز پڑھائی اور سلام پھیرنے کے بعد کھڑے

﴿۱﴾ التار لمیف ص ۶۹-۷۰، علودام الخضر کان خالد

﴿۲﴾ التار لمیف ص ۶۸

ہو کر) فرمایا:

ارایتکم لیتکم هذه فان علی راس منة سنة منها لا

یبقی علی ظهر الارض ممن هو الیوم علیها احد

”کیا تم نے اپنی یہ رات دیکھی جو بھی آج روئے زمین پر زندہ

ہیں ان میں سے صدی کے اختتام پر کوئی بھی ایک زندہ نہیں رہے گا۔“

نیز صحیح مسلم میں حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وفات سے

کچھ ہی روز پہلے فرمایا:

ما من نفس منقوسة یاتی علیها منة سنة وھی یومئذ حیة

”کوئی سانس لینے والا نفس نہیں ہے جو اس وقت زندہ ہوگا جب

اس پر سو سال گزر جائیں۔“

یہ احادیث مسند امام احمد اور سنن الترمذی میں بھی منقول ہیں۔ حافظ ابن جوزی کا کہنا ہے

کہ یہ صحیح احادیث حیات خضر کے دعویٰ کا کمر توڑ دیتی ہیں۔ اگر حضرت خضر نے رسول اللہ ﷺ کا

زمانہ نہیں پایا ہے جیسا کہ قوی اور یقینی ہے تو کوئی اشکال نہیں، اگر انھوں نے آپؐ کا زمانہ پایا ہے

تو اس حدیث کا اقتضا ہے کہ وہ پہلی صدی کے بعد ہرگز زندہ نہیں ہوں گے، لہذا اب وہ مفقود

ہوں گے، موجود نہیں۔ کیونکہ وہ اس عموم کے تحت آتے ہیں اور اصل یہ ہے کہ انھیں اس عموم

سے مستثنیٰ نہیں کیا جاسکتا جب تک (ان کی تخصیص) کسی ایسی صحیح دلیل سے ثابت نہ ہو جس کا

قبول کرنا واجب ہو ﴿۳﴾

اجماع محققین:- حافظ ابن جوزی نے امام بخاری اور علی موسیٰ الرضا کا یہ قول نقل کیا

ہے کہ حضرت خضر کی وفات ہو چکی ہے۔ ان کا بیان ہے کہ امام بخاری سے حیات خضر کے

بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے جواب دیا کہ ایسا کس طرح ممکن ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے تو فرمایا ہے ”کیا تم نے یہ رات دیکھی ہے، صدی کے خاتمے پر ان میں سے کوئی نہیں بچے گا جو اس وقت روئے زمین پر ہیں۔“ اور جو لوگ حضرت خضر کی وفات کے قائل ہیں ان میں ابراہیم بن اسحاق الحربی اور ابوالحسن بن السنادی بھی شامل ہیں۔ یہ دونوں امام ہیں۔ ابن السنادی اس شخص کی بات کا برا ماننے تھے جو کہتا کہ حضرت خضر زندہ ہیں۔ قاضی ابویعلیٰ نے امام احمد بن حنبل کے بعض اصحاب کے بارے میں کہا ہے کہ وہ حضرت خضر کی وفات کے قائل ہیں اور دلیل یہ ہے کہ اگر وہ زندہ ہوتے تو ان کے لیے واجب تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لَوَانِ مُوسَىٰ كَانَ حَيًّا مَا وَسَعَهُ الْإِنَانُ

﴿۴﴾ یتبعنی

”قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، اگر حضرت

موسیٰ زندہ ہوتے تو ان کے لیے میری اتباع کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔“

لہذا حضرت خضر کیسے زندہ ہو سکتے ہیں جبکہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نہ تو جمعہ اور جماعت کی نماز پڑھی اور نہ ان کے ساتھ شامل ہو کر جہاد کیا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ حضرت عیسیٰ جب دنیا میں نازل ہوں گے تو وہ اس امت کے امام کے پیچھے نماز پڑھیں گے خود آگے نہیں بڑھیں گے، کہ اس سے ہمارے نبی کی نبوت میں خدشہ نہ ہو ﴿۵﴾

عقل :- عقلی دلائل ...

حضرت خضر کی حیات کا قائل جو شخص کہتا ہے کہ حضرت خضر حضرت آدم کی صلیبی اولاد ہیں

﴿۴﴾ امام احمد بن حنبل، المسند (عن جابر بن عبد اللہ) ۳: ۳۸۷

﴿۵﴾ التارخ المسند ص ۷۲-۷۳، روح المعانی ۱۵: ۳۲۱

تو یہ قول چند وجوہ سے غلط ہے۔

(ا) پہلی وجہ یہ ہے کہ جب تو ان کی عمر چھ ہزار سال ہوئی چاہیے۔ جیسا کہ یوحنا المورخ نے بیان کیا ہے اور یہ عادتاً انسان کے لیے بعید از عقل ہے۔

(ب) دوسری وجہ یہ ہے، اگر وہ حضرت آدم کی صلیبی اولاد ہیں یا ان کے بیٹے کی چوتھی اولاد ہیں جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے اور یہ کہ وہ ذوالقرنین کے وزیر تھے۔ تو ان لوگوں کی خلقت ہماری خلقت پر نہیں ہے بلکہ وہ زیادہ لمبے اور چوڑے ہیں یعنی ان کی جسامت زیادہ ہے۔ صحیحین کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو پیدا کیا، ان کا قد ساٹھ ہاتھ تھا اس کے بعد قد گھٹتا رہا۔ جبکہ حضرت خضر کو دیکھنے والوں میں سے کسی نے یہ بیان نہیں کیا ہے کہ وہ عظیم قد والے تھے حالانکہ وہ لوگوں میں سب سے پرانے ہیں۔

(پ) تیسری وجہ یہ ہے کہ اگر حضرت خضر حضرت نوح سے پہلے ہوتے تو وہ ان کے ساتھ کشتی میں سوار ہوتے۔ جبکہ کسی نے اس کا ذکر نہیں کیا ہے۔

(ت) چوتھی وجہ یہ ہے کہ علما کا اتفاق ہے کہ حضرت نوح جب کشتی سے اترے تو ان کے ساتھ جو لوگ تھے انھوں نے وفات پائی۔ اس کے بعد ان کی نسل بھی وفات پا گئی اور حضرت نوح کی نسل کے سوا کوئی باقی نہ رہا جس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلیل ہے:

وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمُ الْبَاقِينَ (الصافات: ۷۷)

”اور ہم نے ان کی اولاد کو ایسا کیا کہ وہی باقی رہ گئے“

اور اس سے قائل کا یہ قول باطل ہو جاتا ہے کہ وہ حضرت نوح سے پہلے تھے۔

(ث) پانچویں وجہ یہ ہے کہ اگر یہ صحیح ہوتا کہ بنی آدم میں سے کوئی بشر پیدائش کے وقت سے لے کر آخری زمانے تک زندہ رہے اور وہ حضرت نوح سے پہلے پیدا ہوا ہو تو یہ سب سے بڑی نشانی اور عجیب خبر ہوتی اور اس کی خبر قرآن میں ایک سے زائد جگہ ہوتی کیونکہ یہ ربوبیت

کی سب سے بڑی نشانی تھی جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کا ذکر کیا جو پچاس کم ایک ہزار سال زندہ رہا اور اسے نشانی بنایا، پس کیسے اس شخص کے ساتھ حال ہوتا جو آخری زمانہ تک زندہ ہو۔ اسی لیے بعض اہل علم نے کہا ہے کہ یہ بات تو شیطان نے لوگوں میں ڈال دی ہے۔

(ج) چھٹی وجہ یہ ہے کہ حیات خضر کا قول اللہ تعالیٰ پر قول بلا علم ہے اور نص قرآنی سے حرام ہے۔ مقدمہ ثانیہ تو عیاں ہے اور اب رہا پہلا مقدمہ تو اگر ان کی حیات ثابت ہوتی تو قرآن یا سنت یا اجماع امت سے اس پر دلیل ہوتی۔ یہ کتاب الہی ہے تو اس میں کہاں خضر کی حیات کا ذکر ہے۔ یہ رسول اللہ کی سنت ہے۔ اس میں کہاں کوئی ایسی چیز ہے کہ کسی پہلو سے اس امر پر دلیل ہو اور یہ علماء امت ہیں کیا وہ ان کی حیات پر متفق ہیں۔

(ح) ساتویں وجہ یہ ہے کہ ان کی حیات کے قائلین کے پاس زیادہ سے زیادہ منقول حکایات ہیں، جن کی خبر کوئی شخص دیتا ہے کہ اس نے حضرت خضر کو دیکھا۔ تعجب ہے کیا حضرت خضر کی کوئی نشانی ہے جس سے دیکھنے والے نے اسے پہچانا اور ان میں سے اکثر ان کے اس قول سے دھوکہ کھاتے ہیں کہ میں خضر ہوں حالانکہ معلوم ہے اللہ کی طرف سے بغیر کسی دلیل کے اس قول کے کہنے والے کی تصدیق جائز نہیں ہے۔ پس دیکھنے والے کو کہاں سے معلوم ہوا کہ اسے خبر دینے والا صادق ہے، جھوٹ نہیں بولے گا۔

(خ) آٹھویں وجہ یہ ہے کہ حضرت خضر نے حضرت موسیٰ بن عمران کلیم اللہ سے جدائی اختیار کی اور ان کا ساتھ نہیں دیا اور ان سے کہا ”ہذا فراق بینی و بینک“۔ ”یہ میرے اور تیرے درمیان جدائی کا وقت ہے“۔ تو کیسے وہ حضرت موسیٰ جیسے انسان کی جدائی پر راضی ہوں گے اور ان جاہل انسانوں کے ساتھ ملیں گے جو شریعت سے خارج ہیں، جو نہ جمعہ اور جماعت میں اور نہ کسی علمی مجلس میں حاضر ہوتے ہیں اور نہ شریعت کی کوئی چیز جانتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کہتا ہے کہ خضر نے کہا، خضر میرے پاس آئے اور خضر نے مجھے وصیت کی۔

ہے اس پر کہ کلیم اللہ کا ساتھ چھوڑ دیتا ہے اور جاہلوں کی اور اس شخص کی صحبت میں پھرتا ہے جو نہیں جانتا کہ وضو کیسے کیا جائے اور نماز کیسے پڑھی جائے۔

(د) نویں وجہ یہ ہے کہ امت کا اس پر اتفاق ہے کہ جو شخص کہتا ہے کہ میں خضر ہوں اگر کہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسے ایسے کہتے سنا تو اس کے قول کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا اور نہ دین میں اس سے استدلال کیا جائے گا، الا یہ کہ یہ کہا جائے کہ وہ (حضرت خضر) رسول اللہ کے پاس نہیں آئے اور نہ انھوں نے ان کی بیعت کی یا یہ جاہل کہے کہ وہ ان کی طرف ہجوٹ نہ تھے، اور یہ قول کفر ہے۔

(ذ) دسویں وجہ یہ ہے کہ اگر وہ زندہ ہوتے تو وہ کفار کے ساتھ جہاد کرتے، خدا کی راہ میں سامان درست رکھتے اور صفِ جنگاہ میں قیام کرتے، جمعہ اور جماعت میں حاضر رہتے، ان کی تعلیم علم ہوتی تو یہ زیادہ بہتر تھا بہ نسبت اس کے کہ جنگلوں اور غاروں میں وحشی جانوروں کے درمیان سیاحت کرتے اور کیا ان کے لیے اس سے بڑھ کر طعن اور عیب کوئی ہو سکتا ہے ﴿۶﴾ حافظ ابن کثیر نے ابن جوزی کی یہ دلیل بھی نقل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ آل عمران میں فرمایا:

”اور اللہ نے جب پیغمبروں سے عہد لیا کہ جب میں تم کو کتاب اور دانائی عطا کروں پھر تمہارے پاس کوئی کتاب آئے جو تمہاری کتاب کی تصدیق کرے تو تمہیں ضرور اس پر ایمان لانا ہوگا اور ضرور اس کی مدد کرنی ہوگی اور (عہد لینے کے بعد) پوچھا کہ بھلا تم نے اقرار کیا اور اس اقرار پر میرا ذمہ لیا (یعنی مجھے ضامن ٹھہرایا) انھوں نے کہا (ہاں) ہم نے اقرار کیا (خدا نے) فرمایا کہ تم (اس عہد و پیمان کے) گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔“

﴿۶﴾ التبارک المیت ص ۷۳-۷۶، روح المعانی ۱۵: ۳۷۱

حضرت خضر: تحقیق کی روشنی میں

حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ اللہ نے جس کسی پیغمبر کو مبعوث فرمایا تو ضرور اس سے عہد لیا کہ اگر اس کی حیات میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوں تو وہ ان پر ضرور ایمان لائے اور ان کی مدد کرے اور پیغمبر اپنی امت سے بھی عہد لے کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کی زندگی میں تشریف لائیں تو سب کو آپ پر ایمان لانا ہوگا اور ان کی مدد کرنی ہوگی۔

اگر حضرت خضر پیغمبر یا ولی ہوں تو اس عہد کے تحت ضرور داخل ہیں۔ اگر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں زندہ ہوتے تو ان کے احوال کا سب سے بڑا شرف یہ ہوتا کہ حضور ﷺ کے سامنے ہوتے، ان پر نازل شدہ پیغام پر ایمان لاتے اور دشمنوں سے حفاظت کرنے کے لیے آپ کی مدد کرتے کیونکہ اگر وہ ولی ہیں تو صدیق ان سے افضل ہیں اور اگر نبی ہیں تو حضرت موسیٰ ان سے افضل ہیں جبکہ امام احمد نے اپنی مسند میں حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر موسیٰ زندہ ہوتے تو ان کو میری اتباع کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔“ اس حدیث سے قطعی طور پر واضح ہوتا ہے اور گزشتہ آیت کریمہ اس پر دلیل ہے کہ اگر تمام انبیاء کرام کے بارے میں فرض کیا جائے کہ وہ حضور ﷺ کے زمانہ میں زندہ ہیں تو سب کو آپ کی، آپ کے احکام کی اور عمومی شریعت کی اتباع کرنی ہوگی جس طرح معراج کی رات جب آپ کا ان کے ساتھ اجتماع ہوا تو آپ کو ان سب پر رفعت عطا کی گئی اور جب آپ کو بیت المقدس میں اتارا گیا اور نماز کا وقت آیا تو جبریل نے اللہ کے حکم سے آپ کو ان کی امامت کرنے کا حکم دیا۔ آپ نے ان کے محل ولایت اور دار اقامہ میں نماز پڑھائی جس سے واضح ہو گیا کہ آپ سب سے بڑے امام، رسول خاتم اور عظیم و مقدم ہیں ﴿۷﴾

جب یہ بات ہر مومن کو معلوم ہے تو واضح ہے کہ اگر حضرت خضر زندہ ہوتے تو وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے ہوتے اور جو آپ کی شریعت کی اقتدا کرتے ہیں ان میں سے کسی کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ نیز جب حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) آخری زمانے میں نازل ہوں گے تو وہ اسی شریعت مطہرہ کے مطابق فیصلہ کریں گے اس سے باہر نہیں نکلیں گے اور نہ ان کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ ہوگا۔ اور وہ پانچ اولوالعزم پیغمبروں میں سے ایک اور بنی اسرائیل کے آخری نبی ہیں۔

اور یہ معلوم ہے کہ کسی صحیح یا حسن سند سے جس پر دلوں کو اطمینان ہو، منقول نہیں ہے کہ ان کی ملاقات کسی دن رسول اللہ ﷺ سے ہوئی ہے اور نہ انھوں نے ان کے ساتھ جنگ میں شرکت کی۔ بدر کے روز حضور ﷺ نے کافروں کے مقابلے میں اللہ سے مدد اور فتح کی دعا مانگتے ہوئے یہ الفاظ کہے:

اللهم ان تہلك هذه العصابة لا تعبد بعد ہا فی

الارض ﴿۸﴾

”اے اللہ اگر یہ جماعت ہلاک ہوگئی تو اس کے بعد روئے زمین پر تیری

عبادت نہیں کی جائے گی۔“

اور اس جماعت میں مسلمانوں کے سردار، فرشتوں کے سردار حتیٰ کہ حضرت جبریل بھی

شامل تھے۔ جیسا کہ حضرت حسان بن ثابت (۶۲۶ق ھ - ۵۴ھ - ۵۵۸/۵۶۳ء) ﴿۹﴾

ایک قصیدہ کے ایک بیت میں جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ سب سے فخر والا شعر

﴿۸﴾ مسلم میں ہے: اللهم ان تہلك هذه العصابة من اهل الاسلام لا تعبد فی الارض۔ منہ میں ہے:

”لا تعبد فی الارض ابداً“

﴿۹﴾ شاعر رسول حضرت حسان بن ثابت الانصاری جن کے لیے مسجد نبوی میں منبر لگایا جاتا تھا اور جن کے اشعار کی داد خود

سید المرسلین دیا کرتے تھے۔ فصیح العرب واللحم کی زبان مبارک سے داد پاتا ہی شرف کی بات ہے۔

حضرت خضر: تحقیق کی روشنی میں

ہے جو عربوں نے کہا ہے:

وَبَشِيرٌ بَدْرٍ اَذْيُرُّهُ وَجُوْهُهُمْ جَبْرِيلُ تَحْتَ لَوَائِنَا وَمُحَمَّدٌ

”اور مقام بدر میں جب کافروں کا رخ موڑ دیتے تھے ہمارے جھنڈے تلے

جبریل اور محمد۔“

تو اگر حضرت خضر حیات ہوتے تو اس روز اس جھنڈے کے نیچے ان کا ٹھہرنا ان کے تمام مقامات و غزوات سے بڑھ کر شرف اور عظمت والا ہوتا۔

مکرمین حیات کے دلائل تفصیل سے نقل کیے گئے ہیں۔ مکرمین حیات میں چوٹی کے ائمہ اور علما شامل ہیں جنہوں نے منقول اور معقول دلائل کی روشنی میں اپنا زاویہ نگاہ پیش کیا ہے۔ حضرت خضر کو جو لوگ حیات مانتے ہیں انہوں نے جوابی دلائل پیش کیے ہیں۔ جن کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

☆☆☆

قائلین حیات کے دلائل

اکثر علما، مشائخ اور عوام حضرت خضر کی حیات کے قائل ہیں۔ ان علما نے منکرین حیات کے اعتراضات کے جوابات بھی دیئے ہیں۔

۱۔ منکرین حیات کا اعتراض ہے کہ قرآن میں کسی بشر کے لیے دائمی زندگی کی نفی آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وما جعلنا لبشر من قبلك الخلد

”اور ہم نے آپ سے پہلے کسی بشر کو دائمی زندگی نہیں بخشی۔“

حضرت خضر بشر ہیں اس لیے وہ دائمی طور پر حیات نہیں ہو سکتے۔

علما نے جواب دیا ہے کہ آیت کریمہ میں ”الخلد“ سے مراد ابدی دوام ہے جس کا کوئی قائل نہیں۔ حضرت خضر کو حیات ماننے والوں میں سے کوئی نہیں کہتا کہ وہ ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ ان میں سے ایک گروہ کہتا ہے کہ ان کی موت موخر کر دی گئی ہے۔ یہاں تک کہ وہ دجال کی تکذیب کریں گے، یہ رائے حضرت ابن عباس سے منقول ہے۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ وہ دجال سے مقاتلہ کریں گے، اس کے بعد وفات پائیں گے۔ حضرت حسن بصری کی رائے ہے کہ حضرت خضر اور حضرت الیاس کو پہلے صور کے پھونکنے جانے تک زندگی بخشی گئی ہے۔ وہ بن منہ کا بیان ہے کہ وہ اخیر زمانہ تک زندہ رہیں گے۔ ثغابی کہتے ہیں کہ وہ آخری زمانے میں رفع قرآن کے وقت موت سے ہم کنار ہوں گے۔ اس امر کا کوئی قائل نہیں کہ وہ موت

سے متشکی ہیں۔ انھیں عمر جاوداں نہیں، عمر دراز عطا کی گئی ہے۔ یہ بھی معلوم ہے کہ حضرت عیسیٰ رسول اللہ ﷺ سے پہلے مبعوث کیے گئے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی موت موخر کر کے آسمان پر اٹھالیا۔ حضرت عیسیٰ بھی بشر ہیں جس طرح آیت کریمہ سے ان کی موت پر دلیل لانا درست نہیں، اسی طرح حضرت خضر اور حضرت الیاس کی موت پر دلیل لانا درست نہ ہوگا۔ یہی دلیل کہ غلو مدت طویل کے لیے بھی آیا ہے یا عمر دراز کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے تو جواب یہ ہے کہ دلیل صحیح نہیں ہے۔ یہ چیز بشر کے حق میں ثابت ہے جس کی مثال حضرت نوح ہیں ﴿۱﴾ منکرین حیات نے سنت سے جو دلیل دی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ صدی کے خاتمے پر ان میں سے کوئی زندہ نہیں بچے گا جو اس وقت روئے زمین پر زندہ ہیں۔ حضرت خضر بھی حدیث کے عموم میں شامل ہیں، اس لیے وہ کس طرح حیات ہو سکتے ہیں۔ علما کا جواب ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی مراد روئے زمین پر رہنے والوں سے ہے۔ حضرت خضر اس وقت سمندر یا دریا میں کسی کشتی پر رہے ہوں گے، ان کے بارے میں عام رائے بھی یہی ہے کہ وہ سمندروں کے موکل ہیں۔ یا ممکن ہے کہ وہ اس وقت زمین اور آسمان کے درمیان ہوا میں رہے ہوں جیسا کہ بعض صلحا نے انھیں دیکھا ہے جس طرح ملائکہ اور حضرت عیسیٰ حدیث کے عموم سے متشکی ہیں کہ وہ روئے زمین پر نہیں بلکہ آسمان پر ہیں۔ جس طرح ہاروت و ماروت اس سے متشکی ہیں کہ وہ زمین پر تو ہیں مگر بشر نہیں یا جیسے ابلیس و شیاطین اور جنات اس سے متشکی ہیں اسی طرح حضرت خضر بھی حدیث کے عموم سے باہر ہیں۔ علاوہ ازیں صحیحین کی احادیث میں دجال اور جساسہ کا ذکر آیا ہے۔ دونوں عہد رسالت میں موجود تھے اور آج تک زندہ ہیں۔ دجال بھی ایک سمندری جزیرہ میں تھا۔ دجال اور جساسہ دونوں اس حدیث کے عموم سے خارج ہیں۔ بعض علما کی رائے ہے کہ حدیث میں ”ارض“ سے مراد مدینہ ہے جس طرح آیت الم تکن ارض اللہ

واسعة (النساء: ۹۷) میں ارض سے مراد مدینہ ہے۔ اس صورت میں مدینہ کے باہر تمام لوگ اس سے مستثنیٰ ہوں گے ﴿۲﴾۔ صحیح بخاری کے شارح بدرالدین عینی (۷۲۷-۱۸۵۵ء) ۱۳۶۱-۱۳۵۱ء ﴿۳﴾ کا کہنا ہے کہ امام بخاری اور ان کے ہم خیال حضرات نے حدیث الباب سے حضرت خضر کی موت پر استدلال کیا ہے لیکن جمہور ان کے خلاف ہیں ﴿۴﴾۔ اس لیے اس اعتراض میں کوئی جان نہیں ہے۔

حضرت خضر کی حیات کا انکار کرنے والوں نے ایک دلیل یہ دی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دعا کی: ”اے اللہ اگر آج یہ جماعت ہلاک ہوگئی تو روئے زمین پر تیری عبادت نہیں کی جائے گی۔“ یہ جماعت تین سو تیرہ افراد پر مشتمل تھی جو معروف ہیں اس وقت حضرت خضر کہاں تھے۔ حیات کے قائلین کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ حضور ﷺ کے الفاظ سے مراد یہ ہے کہ غلبہ اور ظہور کے ساتھ عبادت نہ ہو سکے گی ورنہ مدینہ منورہ میں بہت سے مسلمان تھے جو بدر میں حاضر نہ تھے۔ معراج کی رات رسول اللہ نے تمام انبیاء کی امامت فرمائی۔ حضرت خضر بھی ان میں شامل ہوں گے مگر کسی نے ان کا ذکر نہیں کیا ہے۔ کیا اس سے یہ سمجھا جائے کہ وہ ان میں شامل نہ تھے، ممکن ہے وہ بدر میں شریک رہے ہوں اور کسی نے دیکھا نہ ہو، کیونکہ وہ نظروں سے اوجھل رہتے ہیں ﴿۵﴾۔ منکرین حیات نے امام بخاری، علی بن موسیٰ الرضا، ابن السنادی، قاضی ابویعلیٰ اور دوسرے علما کا انکار نقل کیا ہے، مگر حضرت خضر کی حیات کے قائل علما اور

﴿۲﴾ حضرت مولانا احمد رضا صاحب بجنوری۔ انوار الباری شرح صحیح البخاری۔ دہلی ۱۳۷۶/۱۴۰۰ھ ۱۶۸:۱۵-۱۶۹
 ﴿۳﴾ شیخ الاسلام بدرالدین عینی محمود بن احمد، صحیح بخاری کے شارح اور متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔ آپ نے چالیس سال جامعہ مویدہ قاہرہ میں درس دیا۔ صحیح بخاری کی شرح ”عمدة القاری“۔ ”تنبیہ الافکار شرح معانی الآثار“ آپ کی تصنیفات میں مشہور ہیں۔

﴿۴﴾ انوار الباری شرح صحیح البخاری۔ ۱۶۸:۱۵-۱۶۹

﴿۵﴾ روح المعانی ۳۲۳:۱۵

مشارح کا جواب یہ ہے کہ علما کی ایک بڑی تعداد انھیں حیات مانتی ہے ﴿۶﴾

قرآن، سنت اور اجماع کے بعد حافظ ابن جوزی نے دس عقلی دلائل دئے ہیں جن سے حیات خضر کی نفی ہوتی ہے۔ حیات کے قائلین نے ان کا جواب دیا ہے

(۱) پہلی دلیل یہ ہے کہ حضرت آدم کی صلی اولاد ہونے کی صورت میں حضرت خضر کی عمر چھ ہزار سال ہونی چاہیے جبکہ بشر کے معاملے میں ایسا ہونا بعید از عادت ہے۔ علما نے اس کا جواب دیا ہے کہ جو چیز عادت سے بعید ہو وہ خرق عادت ہے اس لیے اعتراض ہی بے محل ہے۔ ایک اور بات یہ ہے کہ طویل العمری بشر کے حق میں بعید نہیں ہے۔ قرآن حکیم میں حضرت نوح کے بارے میں آیا ہے کہ وہ نو سو پچاس سال اپنی قوم میں رہے۔ بعض مفسرین نے نو سو پچاس برس ان کی مدت تبلیغ بتائی ہے۔ ابو حاتم بختانی نے ان کی عمر چودہ سو پچاس سال اور بعض دوسرے علما نے سترہ سو اسی برس بتائی ہے۔ ہاں متاخرین کے نزدیک اس قدر طویل العمری ضرور بعید از قیاس ہے ﴿۷﴾

(۲) دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر حضرت خضر حضرت آدم کی صلی اولاد ہیں یا ان کی اولاد میں سے چوتھی اولاد ہیں تو ان کی خلقت اور جسامت بڑی ہوگی جبکہ ان سے ملاقات کرنے والوں میں سے کوئی نہیں کہتا کہ وہ عظیم الخلق ہیں۔ قائلین حیات کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں قدیم لوگوں کا جو عظیم الخلق ہونا مروی ہے تو یہ اس پہلو سے ہے کہ ان لوگوں کی اکثریت عظیم الخلق ہوتی تھی۔ ورنہ معلوم ہے کہ یا جوج اور ماجوج اگرچہ حضرت نوح کے بیٹے یافت کی پشت سے ہیں مگر ان میں بعض کا قد باشت کے برابر ہے جیسا کہ آثار میں مروی ہے۔ اس کے علاوہ بعض روایات میں حضرت خضر کی خلقت کا بیان بھی آیا ہے۔

﴿۶﴾ روح المعانی ۱۵: ۲۲۲، کایات الصالحین من الایمین والصوفیاء والاجماع بہ والاخذ عنہ فی سائر الاعصار اکثر من ان تحصر، اشعر من ان تذکر۔

﴿۷﴾ روح المعانی ۱۵: ۲۲۲-۲۲۵

حضرت عمر فاروق کے واقعہ میں ان کے نشان قدم کی لمبائی ایک ذراع (۱۸ سے ۲۲ انچ) بیان ہوئی ہے ﴿۸﴾

(۳) منکرین حیات کی تیسری دلیل یہ ہے کہ اگر حضرت خضر حضرت نوح کے ساتھ کشتی میں سوار ہوتے تو کسی نے اس کا ذکر کیوں نہیں کیا؟ حیات کے قائل علما نے جواب میں کہا کہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں تشکل و تصور کی قوت عطا فرمائی ہو کہ حضرت جبریل کی طرح جس شکل میں چاہیں ظاہر ہوں۔ صوفیا کے یہاں اولیا کی یہ قوت مسلم ہے اور جب یہ قوت تسلیم کی جائے تو یہ اعتراض باقی نہیں رہتا کہ وہ سفینہ نوح میں سوار نہیں ہوئے۔ نیز وہ سمندروں کے موکل ہیں انھیں کشتی نوح میں سوار ہونے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ یا ممکن ہے وہ ہوا میں رہے ہوں یا کسی شکل میں کشتی میں موجود رہے ہوں ﴿۹﴾۔

(۴) حضرت خضر کی حیات کے خلاف ایک دلیل یہ دی جاتی ہے کہ حضرت نوح اور ان کے ساتھی کشتی سے اترے تو صرف حضرت نوح کی ذریت باقی رہ گئی۔ اگر حضرت خضر کشتی میں سوار تھے تو ان کی زندگی کے بارے میں کسی سے کوئی قول منقول کیوں نہیں ہے؟ حیات کے قائلین کا جواب یہ ہے کہ کہاں ثابت ہے کہ حضرت خضر کشتی میں سوار تھے۔ ان کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ حضرت نوح سے پہلے رہے ہیں، ضعیف قول ہے۔ حضرت خضر ان کے بعد رہے ہیں۔ نیز آیت میں حضرت نوح کی ذریت کا باقی رہنا ان کے جھٹلانے والوں کی نسبت کہا گیا ہے کہ ان میں کوئی باقی نہ بچا۔ یہ مراد نہیں کہ تمام اہل کشتی مر گئے اور صرف حضرت نوح کی نسل باقی رہ گئی۔ مراد یہ ہے کہ ان کی نسل کے سوا جو بھی بظاہر نظروں میں تھا مر گیا۔ جو لوگ بغیر تاسل کے تھے ان کے بقا کی نفی نہیں کی گئی ہے۔ کشتی میں شیطان بھی سوار تھا اس لیے اس

﴿۸﴾ روح المعانی ۳۲۵:۱۵

﴿۹﴾ روح المعانی ۳۲۵:۱۵

حضرت خضر: تحقیق کی روشنی میں

اعتراض میں کوئی وزن نہیں ہے ﴿۱۰﴾

(۵) حضرت خضر کے حیات ہونے کے خلاف ایک دلیل یہ دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح کی عمر کا ذکر قرآن میں کیا جو ربوبیت کی نشانی ہے۔ اگر حضرت خضر حیات ہوتے تو یہ بہت بڑی نشانی ہوتی مگر قرآن میں ان کی حیات کا ذکر ہی نہیں ہے۔ اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ بعض علما نے قرآن کی آیت ”آتیناہ رحمۃ من عندنا“ میں ”رحمۃ“ سے مراد طویل العمری کی طرف اشارہ لیا ہے ﴿۱۱﴾

(۶) منکرین حیات کی ایک دلیل یہ ہے کہ حیات خضر کا قول اللہ کے بارے میں قول بلا علم ہے۔ اگر حضرت خضر حیات ہوتے تو قرآن، سنت یا اجماع امت سے کوئی دلیل ہوتی۔ علما نے اس کا جواب دیتے ہوئے کہا ہے کہ علما کی اکثریت کی رائے یہ ہے کہ حضرت خضر زندہ ہیں، صوفیا اور مشائخ کا اتفاق ہے کہ حضرت خضر زندہ ہیں اور عام مسلمان بھی حضرت خضر کو زندہ مانتے ہیں۔ ان کی حیات کے ثبوت میں مشائخ اور مشہور علما کا اتفاق کافی ہے ﴿۱۲﴾

(۷) حضرت خضر کی حیات کے خلاف ایک دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ ان کی ملاقات کے بارے میں زیادہ تر حکایات منقول ہیں۔ کیا ان کی کوئی نشانی ہے جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ یہ حضرت خضر ہیں۔ حیات کے قائل علما نے اس کا جواب دیتے ہوئے کہا ہے کہ حضرت خضر کی معروف نشانیاں ہیں۔ ان کے قدموں تلے زمین کا سرسبز ہونا، ان کے پاؤں کی لمبائی ایک ذراع ہونا اور ان سے خوارق عادات کا ظاہر ہونا وہ نشانیاں ہیں جو معروف ہیں۔ مومن کے قول کی تصدیق اس کے متعلق حسن ظن کی بنا پر ہوتی ہے۔ نیز انھیں دیکھنے کا دعویٰ کرنے والوں میں یہ بات عام ہے کہ ان کے دائیں ہاتھ کے انگوٹھے میں ہڈی نہیں ہے اور ان کی ایک

﴿۱۰﴾ روح المعانی ۳۲۵:۱۵

﴿۱۱﴾ روح المعانی ۳۲۶:۱۵

﴿۱۲﴾ روح المعانی ۳۲۲-۳۲۱:۱۵

آنکھ کی پتلی پارے کی طرح حرکت کرتی رہتی ہے ﴿۱۳﴾

(۸) حیات خضر کے خلاف ایک دلیل یہ دی گئی ہے کہ حضرت خضر کا حضرت موسیٰ سے الگ ہونا اور ان لوگوں کے ساتھ رہنا جو شریعت سے بے بہرہ ہیں اور وضو اور جو نماز سے بھی واقف نہیں، طعن کے لائق اور معیوب ہے۔ حیات کے قائلین کا جواب یہ ہے کہ ہر دور میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں رہی ہے جنہوں نے اللہ اور رسول پر جھوٹ باندھا، حضرت خضر پر جھوٹ باندھنا کوئی بڑی بات ہے؟ اگر صوفیا اور مشائخ جو شریعت کی حدود کی پاسداری کرتے ہیں، کے ساتھ ان کی ملاقات عام ہے۔ ان میں وہ حضرات بھی شامل ہیں، جن کی مرافقت کے خود حضرت خضر خواہشمند رہے ہیں۔ کیا ان کے ساتھ حضرت خضر کی ملاقات کو بھی جھٹلایا جاسکتا ہے؟ ﴿۱۴﴾

(۹) منکرین حیات کی ایک دلیل ہے کہ امت کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی شخص کہے میں خضر ہوں اور میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسا کہتے سنا ہے تو اس کے قول کی طرف توجہ نہیں دی جائے گی اور نہ دین میں اس سے استدلال کیا جائے گا۔ سوائے اس کے یہ کہا جائے کہ آپؐ ان کی طرف مبعوث نہ تھے اور یہ کفر ہے۔ قائلین حیات کا جواب ہے کہ اس میں کفر کا شائبہ نہیں ہے، ہاں یہ قول باطل ہے اور وہ آپؐ کی خدمت میں آئے ہیں اور بیعت کی ہے مگر باطنی طور پر کسی کو اس کا احساس نہ ہوا اور ایک جماعت نے انہیں صحابہ میں شمار کیا ہے لیکن ان کے وجود اور شہود کے بارے میں کوئی قطعی رائے نہیں ہے اس لیے شاید ان کی روایت بھی قبول نہیں کی جائے گی ﴿۱۵﴾

(۱۰) حضرت خضر کی حیات کے خلاف ایک دلیل یہ دی جاتی ہے کہ اگر وہ حیات

﴿۱۳﴾ روح المعانی ۱۵: ۳۲۶

﴿۱۴﴾ روح المعانی ۱۵: ۳۲۷

﴿۱۵﴾ روح المعانی ۱۵: ۳۲۱

ہوتے تو کفار کے ساتھ جہاد کرنا، جہاد فی سبیل اللہ کی تیاری کرنا، صف جنگاہ میں ٹھہرنا، جمعہ اور جماعت میں حاضر ہونا، جہال کو ارشاد و تبلیغ کرنا، ان کے لیے غاروں اور جنگلوں میں وحشیوں کے درمیاں پھرنے سے افضل تھا۔ جواب میں کہا گیا ہے کہ جہاد میں ان کی عدم شرکت کہاں سے معلوم ہوئی۔ دوسرے یہ کہ علم لدنی کا عالم اسی چیز میں مشغول ہوگا جس کی تعلیم اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر مکان و زمان میں امر و نشان کے اقتضاء کے مطابق دی گئی ہے ﴿۱۶﴾

حضرت خضر کے حیات ہونے پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ سورہ آل عمران کی آیت کی تفسیر میں حضرت عبداللہ ابن عباس سے جو حدیث مروی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر نبی سے عہد لیا جاتا تھا کہ اگر اس کی زندگی میں رسول اللہ ﷺ مبعوث کیے گئے تو وہ آپؐ پر ایمان لائے گا اور آپؐ کی مدد کرے گا۔ اگر حضرت خضر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں ہوتے تو ان کے لیے ضروری تھا کہ آپ ﷺ کی خدمت میں آتے، آپ کی رفاقت میں جہاد کرتے جبکہ کسی صحیح حدیث سے معلوم نہیں ہوتا کہ حضرت خضر آپؐ کی خدمت میں آئے ہوں اور جہاد کیا ہو۔ حیات کے قائل علما کی طرف سے جواب یہ ہے کہ ممکن ہے وہ آئے ہوں اور کسی نے نہ دیکھا ہو اور ان کی نظر نہ آنے میں کوئی حکمت ہو۔ اس کے علاوہ جہاد میں ان کی شرکت کے شواہد بھی موجود ہیں۔ مثلاً ابن بشکوال (۳۹۳-۵۵۷ھ/۱۱۰۱-۱۱۸۳ء) ﴿۱۷﴾ ”کتاب المستعین باللہ تعالیٰ“ میں حضرت عبداللہ بن مبارک (۱۱۸-۱۸۱ھ/۷۳۶-۷۹۷ء) ﴿۱۸﴾ سے اس واقعہ کو نقل کیا ہے کہ میں ایک غزوہ میں تھا کہ میرا گھوڑا مر گیا، میں نے ایک خوب رو اور

﴿۱۶﴾ روح المعانی ۱۵: ۳۷۷

﴿۱۷﴾ ابوالقاسم خلف بن عبد الملک بن مسعود بن بشکوال بن یوسف بن واحد بن دا کہ کا شمار اندلس کے محدثین اور مورخین میں ہوتا ہے۔ مختلف علوم میں پچاس تصنیفات یادگار چھوڑی ہیں۔ آپ کا تعلق قرطبہ سے تھا۔

﴿۱۸﴾ عبداللہ بن مبارک المروزی ثقہ، عالم، جواد اور مجاہد تھے جن کے اندر اللہ نے خبر کے خصال جمع کیے تھے۔ امام مالک صرف عبداللہ بن مبارک کے لیے احزاباً کھڑے ہوتے تھے۔ لوریخ الانوار ۵۹: ۱

خوشبودار شخص کو دیکھا۔ اس نے مجھ سے پوچھا کیا تم اپنے گھوڑے پر سوار ہونا چاہتے ہو؟ میں نے کہا ”ہاں“۔ اس نے گھوڑے کی پیشانی پر ہاتھ رکھا اور اس کے پچھلے حصے تک پھیرتے ہوئے کہا کہ اے بیماری میں تمہیں عزت الہی کی عزت، عظمت الہی کی عظمت، جلال الہی کے جلال، سلطان الہی کے سلطان، لا الہ الا اللہ، اس چیز کی جو قلم نے خدا کے پاس تحریر کی ہے اور لاحول ولا قوۃ الا باللہ کی قسم دیتا ہوں کہ تم چلی جاؤ۔ گھوڑا خدا کے حکم سے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اس شخص نے رکاب پکڑی اور مجھ سے کہا کہ سوار ہو جاؤ، میں گھوڑے پر سوار ہوا اور ساتھیوں سے مل گیا۔ جب دوسرے دن صبح کو ہم دشمن پر غالب آگئے تو وہ ہمارے سامنے تھا۔ میں نے اس سے کہا کیا تم کل والے ساتھی نہیں ہو۔ اس نے کہا ”کیوں نہیں“۔ میں نے کہا اللہ کے لیے مجھے بتاؤ کہ آپ کون ہیں۔ وہ اچھل کر کودے، اس کے پاؤں تلے جوز مین تھی وہ سرسبز ہو گئی، اس کے بعد اس نے کہا میں خضر ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ بعض معرکوں میں حصہ لیتے ہیں ﴿۱۹﴾۔ نیز اگر وہ رسول اللہ کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکے تو ایسا کرنا واجب بھی نہیں تھا۔ کتنے ہی ایمان والے تھے جو رسول اللہ کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکے۔ خیر التابیین حضرت اویس قرنی (الشیہد ۳۷ھ/۶۵۷ھ) ﴿۲۰﴾ کی مثال موجود ہے۔ ان کے لیے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونا اور جہاد میں ساتھ دینا اور براہ راست تعلیم پانا ممکن نہ ہو سکا۔ اسی طرح نجاشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (المتوفی ۹ھ/۶۳۰ء) ﴿۲۱﴾ کی مثال موجود ہے جو رسول اللہ ﷺ کی

﴿۱۹﴾ روح المعانی ۱۵: ۳۲۳

﴿۲۰﴾ سید التابیین حضرت اویس بن حارث القرنی یمن کے ایک گاؤں قرن میں پیدا ہوئے۔ آپ حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی علامت کے طور پر مشہور ہیں۔ ۳۶ اور ۳۷ھ کی جنگ صفین میں حضرت علی کی طرف سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ ﴿۲۱﴾ حبشہ کا بادشاہ نجاشی جس نے مہاجرین حبشہ کو پناہ دی تھی، رسول اللہ ﷺ پر ایمان لایا تھا۔ مہاجرین حبشہ واپس آئے، تو رسول اللہ نے تین بار نجاشی کے لیے دعائے مغفرت مانگی تھی۔ نجاشی کا انتقال رجب ۹ھ میں ہوا تو رسول اللہ نے مدینہ میں اس کے انتقال کے روز ہی صحابہ کو اس کی اطلاع دی اور غائبانہ نماز جنازہ ادا کی۔

خدمت میں حاضر نہ ہو سکے ﴿۲۲﴾۔ قائلین حیات یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت خضر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آتے تھے اور تعلیم حاصل کرتے تھے۔ مگر خفیہ طور پر کیونکہ وہ حکمت الہی کے اقتضاء کے تحت علانیہ آنے پر مامور نہ تھے ﴿۲۳﴾

جہاں تک رسول اللہ سے روایت کرنے کا تعلق ہے۔ محدثین نے تصریح کی ہے کہ رسول اللہ سے ان کے بارے میں یا ان کے واسطے سے کوئی حدیث مروی نہیں ہے۔ حیات کے قائل محدثین بھی مانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے حضرت خضر کی کوئی روایت نہیں ہے۔ مگر صوفیا ان سے بلا واسطہ روایت کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ چنانچہ شیخ علاء الدین کا دعویٰ ہے کہ انھوں نے حضرت خضر سے بلا واسطہ احادیث نبوی حاصل کی ہیں نیز سہروردی نے السرا المکتوم میں بیان کیا ہے کہ حضرت خضر نے ہم سے تین سو احادیث بیان کیں جنہیں انھوں نے زبان رسالت سے سنا تھا ﴿۲۴﴾۔



﴿۲۲﴾ روح المعانی ۱۵: ۳۲۳

﴿۲۳﴾ روح المعانی ۱۵: ۳۲۳-۳۲۲

﴿۲۴﴾ روح المعانی ۱۵: ۳۲۳

خلاصہ بحث

حضرت خضر کے بارے میں علما نے اس کثرت سے واقعات نقل کیے ہیں کہ ان کا احاطہ کرنا مشکل ہے، بعض واقعات میں آیا ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں سلام بھیجا ہے جبکہ بعض روایات میں کہا گیا ہے کہ انھوں نے دعا کی کہ اللہ انھیں رسول اللہ ﷺ کی امت مرحومہ میں شامل کرے۔ متعدد آثار میں آیا ہے کہ صحابہ نے ان کے ساتھ ملاقات کی جبکہ بعض بیانات میں ان کی دعائیں، تسبیحات اور دوسرے کلمات منقول ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے موقع پر حضرت خضر کی تعزیت کا واقعہ مختلف اسناد سے روایت کیا گیا ہے۔ علماء نے حضرت ابوبکر (۵۰ ق ھ - ۱۳ ھ / ۵۷۳ - ۶۳۴ء) اور حضرت علی (۲۳ ق ھ - ۴۱ ھ / ۵۹۹ - ۶۶۱ء) کے آثار کتابوں میں نقل کیے ہیں۔ حضرت عمر فاروق (۳۷ ق ھ - ۲۳ ھ / ۵۸۲ - ۶۴۳ء) کے عہد میں ایک جنازے میں ان کی شرکت کا واقعہ بھی منقول ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد نبوی اور خلافت راشدہ کے دوران بھی ان کی حیات کا تصور موجود رہا ہے اس لیے اسے اس بنا پر رد نہیں کیا جاسکتا کہ یہ خیال بعد کے زمانے کی پیداوار ہے۔

محدثین نے روایات و آثار کے اس دفتر پر کلام کیا ہے اور ان کی صحت سے انکار کیا ہے لیکن علما کی ایک بڑی تعداد نے ان میں سے بعض واقعات اور روایات و آثار کو صحیح مانا ہے، انکار و اقرار کی اس تکرار میں قابل غور نکتہ یہ ہے کہ حضرت خضر اور حضرت الیاس کی حیات جاوداں کا

تصور قرونِ ثلاثہ مشہود لہا بالخیر سے آج تک برابر موجود رہا ہے۔ محدثین کے ایک طبقے کی رائے کے برعکس جمہورِ علما، مشائخِ عظام اور عوام انھیں حیات مانتے ہیں۔

منکرینِ حیات میں حضرت علی بن موسیٰ الرضا، امام بخاری، ابراہیم الحربی، ابوالحسن بن المنادی، ابوبکر محمد بن حسین النقاش، قاضی ابویعلیٰ بن الفراء الحسینی، قاضی ابوبکر ابن العربی، حافظ ابن جوزی، ابو عبد اللہ محمد بن ابی الفضل المرسی، ابوحیان، امام ابن قیم، حافظ ابن کثیر اور حافظ زین الدین عراقی کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ محدثین اور علما نے ان احادیث کی صحت پر کلام کیا ہے جن میں حضرت خضر اور حضرت الیاس کی حیات کا ذکر آیا ہے۔ ان علما میں مجد الدین شیرازی اور ملا علی قاری بھی شامل ہیں۔

منکرینِ حیات میں امام ابن تیمیہ کا ذکر اس لیے نہیں کیا گیا کہ ان سے دورائیں منقول ہیں ﴿۱﴾

حضرت خضر کو حیات ماننے والوں کی تعداد منکرینِ حیات سے بہت زیادہ ہے۔ صحابہ میں حضرت عبد اللہ بن عباس حضرت خضر کی حیات کے قائل ہیں۔ ان کا بیان ہے:

نسی للخصضر فی اجله حتیٰ یکذب الدجال ﴿۲﴾
 ”حضرت خضر کے لیے وفات میں اس وقت تک مہلت دی گئی ہے جب وہ دجال کی تکذیب کریں گے۔“

تابعین میں حضرت حسن بصری (المتوفی ۱۱۰ھ ۷۲۸ء) کا قول ہے کہ حضرت الیاس بیابانوں اور حضرت خضر سمندروں کے موکل ہیں ﴿۳﴾۔ وہب بن منبہ (المتوفی ۱۱۳ھ ۳۲۲ء)

﴿۱﴾ مجموع فتاویٰ ۲: ۴۱۰۰، ۳۲۷-۳۳۰

﴿۲﴾ البدایہ والنہایہ ۱: ۳۲۶، الاصابہ ۲: ۲۹۱، الزہر النضر ص ۷۰-۷۱، روح البانی ۱۵: ۳۲۲

﴿۳﴾ الزہر النضر ص ۷۳

حضرت الیاس کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ انھیں اسی طرح لمبی عمر عطا کی گئی ہے جس طرح حضرت خضر کو لمبی عمر بخشی گئی ہے اور وہ اخیر زمانہ تک زندہ رہیں گے ﴿۴﴾۔ خضیف بن عبد الرحمن الجزری الحرانی (المتوفی ۱۳۷ھ/۷۵۳ء) ﴿۵﴾ کا بیان ہے کہ انبیاء میں چار زندہ ہیں۔ دو آسمان میں یعنی حضرت عیسیٰ اور حضرت ادریس اور دوزمین میں ہیں یعنی حضرت خضر اور حضرت الیاس۔ حضرت خضر سمندر میں اور ان کے ساتھی خشکی میں ہیں ﴿۶﴾۔ ابن اسحاق (المتوفی ۱۵۰ھ/۷۶۷ء) ﴿۷﴾ کہتے ہیں کہ حضرت آدم نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ ان کی نعش کو دفن کرنے والے کی عمر قیامت تک طویل ہو۔ حضرت خضر نے ان کی نعش دفن کی۔ اللہ تعالیٰ ان کے لیے وعدہ پورا کیا۔ وہ زندہ ہیں جب تک اللہ چاہے، زندہ رہیں گے ﴿۸﴾۔

صحیح مسلم میں دجال کے متعلق ایک طویل حدیث آئی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ دجال مدینہ منورہ سے متصل ایک مقام پر پہنچے گا تو ایک صالح انسان اس کے پاس جا کر کہے گا کہ تم وہی دجال ہو جس کی خبر ہم کو رسول اللہ ﷺ نے دی ہے۔ دجال لوگوں سے کہے گا اگر میں اس شخص کو تمہارے سامنے قتل کر دوں، پھر اسے زندہ کروں تو کیا تم میرے معاملے میں شک کرو گے؟ لوگ جواب دیں گے ”نہیں“ اس کے بعد دجال اسے قتل کرے گا پھر اسے دوبارہ زندہ کرے گا۔ زندہ ہونے کے بعد صالح انسان کہے گا ”قسم اللہ کی اب تو مجھے آپ کے بارے میں زیادہ یقین ہوا کہ آپ ہی دجال ہیں“۔ دجال پھر اسے قتل کرنے کا ارادہ

﴿۴﴾ شیخ الاسلام جلال الدین عبدالرحمن السیوطی۔ الاقان فی علوم القرآن، کتب خانہ اشاعت الاسلام دہلی ۱۷:۲۹۲

﴿۵﴾ خضیف بن عبد الرحمن الجزری الحرانی کے بارے میں محدثین مختلف الرائے ہیں۔ بعض نے انھیں صدوق کہا ہے اور بعض نے انھیں راجاء سے متهم کیا ہے۔ تقریب الجذب ص ۲۹۷

﴿۶﴾ الزھر انصر ص ۷۶

﴿۷﴾ حافظ حدیث اور قدیم ترین مسلم مورخ ابوبکر محمد بن اسحاق بن یسار مغازی اور سیرت کے امام کی حیثیت سے مشہور ہیں۔

آپ نے بغداد میں وفات پائی۔ الاعلام ۶:۲۵۳

﴿۸﴾ الزھر انصر ص ۷۷، روح المعانی ۱۵:۳۲۲

حضرت خضر: تحقیق کی روشنی میں

کرے گا مگر وہ قابو نہیں پائے گا۔ صحیح مسلم کے راوی ابراہیم بن محمد بن سفیان (التوفی ۳۰۸ھ/۹۲۰ء) ﴿۹﴾ کا کہنا ہے کہ یہ صالح انسان حضرت خضر ہوں گے ﴿۱۰﴾۔ یہی حدیث المصنف میں بھی آئی ہے۔ حدیث کے راوی معمر بن راشد الازدی (التوفی ۱۵۳ھ/۷۷۱ء) ﴿۱۱﴾ کا بیان ہے کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ یہ حضرت خضر ہوں گے ﴿۱۲﴾۔ سہیلی حضرت خضر کے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ اس وقت تک زندہ ہیں جب دجال نکلے گا۔ یہی وہ شخص ہیں جنہیں دجال قتل کرے گا پھر انہیں زندہ کرے گا ﴿۱۳﴾

ابو حاتم جستانی (التوفی ۲۵۰ھ/۸۶۳ء) نے حضرت خضر کا شمار معمرین میں کیا ہے ﴿۱۴﴾ امام نقابی (التوفی ۴۲۷ھ/۱۰۳۵ء) کا بیان ہے کہ تمام اقوال کے مطابق خضر علیہ السلام معمر نبی ہیں اور تمام لوگوں سے پوشیدہ ہیں ﴿۱۵﴾۔ شیخ ابو عمرو بن الصلاح (۵۷۷-۶۳۳ھ/۱۱۸۱-۱۲۳۵ء) ﴿۱۶﴾ حضرت خضر کے بارے میں کہتے ہیں کہ جمہور علما اور صالحین کے نزدیک وہ زندہ ہیں۔ عام لوگ بھی انہی کے ہم رائے ہیں، صرف بعض محدثین کو اس سے انکار ہے ﴿۱۷﴾۔ صحیح مسلم کے شارح امام نووی (التوفی ۶۷۶ھ/۱۲۷۷ء) دجال کے متعلق

﴿۹﴾ شیخ ابواسحاق ابراہیم بن محمد بن سفیان نیشاپوری جن سے صحیح مسلم کا سلسلہ روایت قائم ہوا ہے۔

﴿۱۰﴾ صحیح مسلم بشرح نووی۔ کتاب الفتن باب ذکر الدجال، تہذیب الاسماء واللغات ۱: ۱۷۷ تاریخ الخلفاء ۱۲: ۱

﴿۱۱﴾ ابو عمرو معمر بن راشد الازدی، المعمری ثقہ فاضل ہیں۔

﴿۱۲﴾ الزہرانی ص ۱۳۱، عبد الرزاق ابن حاتم۔ المصنف، تحقیق حبیب الرحمن الاعظمی ۱۹: ۷۲ ۳۹۳: ۱۱

﴿۱۳﴾ الزہرانی ص ۷۸ ﴿۱۴﴾ کتاب المعمرین ص ۱

﴿۱۵﴾ قصص الانبیاء المسماة بالمراسم ص ۲۴۱

﴿۱۶﴾ حافظ تقی الدین ابو عمرو عثمان بن عبد الرحمن بن عثمان بن موسیٰ شہر زوری ابن الصلاح نامور عالم اور مشہور محدث ہیں۔

مقدمہ ابن الصلاح اور طرق حدیث الرحمة مشہور تصانیف ہیں۔ آپ نے دمشق میں وفات پائی۔ دیکھئے: تذکرۃ الحفاظ

۱۳۳۰: ۳، وفیات الاعیان ۳: ۲۳۳

﴿۱۷﴾ ابن الصلاح، فتاویٰ ابن الصلاح، القاہرہ ص ۲۸، حیاۃ الحیوان الکبریٰ ۱: ۱۸۳، تاریخ الخلفاء ۱۲: ۱ صحیح مسلم بشرح

نووی، کتاب الفضائل، فضائل الخضر، تہذیب الاسماء واللغات ۱: ۱۷۷

حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے حضرت خضر کا حیات ہونا ظاہر ہے ﴿۱۸﴾۔ امام نووی کا بیان ہے کہ جمہور علما کی رائے ہے کہ وہ ہمارے درمیان زندہ ہیں اور یہ رائے صوفیا، صلحا اور عرفا کے نزدیک متفق علیہ ہے۔ خضر کو دیکھنے، ان سے ملاقات اور سوال و جواب کرنے اور پاک اور متبرک مقامات پر ان کی موجودگی کے بارے میں ان کی حکایات اتنی زیادہ اور مشہور ہیں کہ انھیں نہ شمار کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی چھپایا جاسکتا ہے ﴿۱۹﴾

شیخ عبداللہ بن اسعد الیافعی (المتوفی ۷۷۸ھ/۱۳۶۶ء) ﴿۲۰﴾ کا عقیدہ تھا کہ حضرت خضر زندہ ہیں۔ ان کے سامنے امام بخاری اور ابراہیم حربی کے انکار کا ذکر کیا گیا تو غضبناک ہو کر بولے مجھے اس شخص پر غصہ آتا ہے جو یہ کہتا ہے کہ ان کی وفات ہوئی ہے ﴿۲۱﴾

صحیح بخاری کے شارح یعنی (المتوفی ۸۵۵ھ/۱۴۵۱ء) نے لکھا ہے کہ جمہور خصوصاً مشائخ طریقت و حقیقت اور ارباب مجاہدات و مکاشفات کی رائے یہی ہے کہ حضرت خضر زندہ ہیں، ہماری طرح کھاتے پیتے ہیں اور ان کو صحراؤں میں دیکھا گیا ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز، ابراہیم بن ادہم، بشر حافی، معروف کرخی، سری سقطی، جنید، ابراہیم خواص وغیرہم نے ان کو دیکھا ہے اور بہت سے دلائل و تجر ان کی زندگی پر شاہد ہیں جن کو ہم نے اپنی تاریخ کبیر میں ذکر کیا ہے ﴿۲۲﴾

﴿۱۸﴾ صحیح مسلم بشرح نووی کتاب القنن باب ذکر الدجال، تہذیب الاسماء واللغات ۱: ۱۷۷

﴿۱۹﴾ صحیح مسلم بشرح نووی کتاب۔ کتاب الفضائل، فضائل الخضر، تہذیب الاسماء واللغات ۱: ۱۷۷-۱۷۸

﴿۲۰﴾ عصفی الدین ابوالسعادات عبداللہ بن اسعد الیافعی علوم ظاہری و باطنی کے عالم، حرمین کے مجاور اور کئی کتابوں کے مصنف گزرے ہیں، مراۃ الجنان آپ کی مشہور تاریخ ہے جس میں ۷۰۰ تک کے حوادث کا بیان ملتا ہے۔ اسے "تاریخ

یافعی" بھی کہا جاتا ہے۔ سفینۃ الاولیاء ص ۶۸

﴿۲۱﴾ الزہر الخضر ص ۱۶۱

﴿۲۲﴾ انوار الباری ۱۰۳: ۵

امام جلال الدین سیوطی (۸۴۹-۹۱۱ھ/۱۴۲۵-۱۵۰۵ء) ﴿۲۳﴾ سے حضرت خضر کے بارے میں سوال کیا گیا تو انھوں نے جواب میں یہ اشعار پڑھے:

لنّاس خلف شاع فی الحضّر وھل
او دی قد یمّا او حی یبقا
ولکل قول حجة مشھورة
تسمو علی الجوزاء فی العلیاء
والمرتضى قول الحیاة فکم له
حجج تجل الدھر عن احصاء
خضرو الیاس بارض مثل ما
عمیسی وادریس بقوا بسماء
ھذا جواب ابن السیوطی الذی
یرجو من الرحمن خیر جزاء ﴿۲۴﴾

صحابہ اور تابعین کے ساتھ حضرت خضر کی ملاقاتوں کے ثبوت میں متعدد روایات منقول ہیں، مگر اکثر روایات پر محدثین نے کلام کیا ہے۔ حافظ ابن جوزی نے ان روایات کو اعتراضات کا ہدف بنایا ہے لیکن ان میں سے بعض روایات دوسرے محدثین کے نزدیک بہر حال موضوع نہیں ہیں بلکہ ضعیف اور صحیح بھی ہیں۔

حافظ ابن عبد البر (۳۶۸-۴۶۳ھ/۹۷۱-۱۰۷۱ء) ﴿۲۵﴾ نے رسول اللہ ﷺ کی وفات پر صحابہ سے حضرت خضر کی تعزیت کا واقعہ نقل کیا ہے ﴿۲۶﴾۔ سیوطی نے بھی تعزیت والی روایت کو صحیح مانا ہے ﴿۲۷﴾۔ دوسرے محدثین نے اس کے علاوہ بعض واقعات بھی نقل کیے

﴿۲۳﴾ عبد الرحمن بن ابوبکر المعروف بہ امام جلال الدین سیوطی ۶۰۰ کتابوں کے مصنف ہیں۔ قرآن کی تفسیر، حدیث اور دوسرے علوم میں آپ کی تصنیفات ہر طبقے میں مقبول ہیں۔ آپ کا مولد، فضا اور مدفن مصر ہے۔

دیکھئے الاعلام ۱: ۷۱-۷۲

﴿۲۴﴾ الزھر النضر ص ۳۳

﴿۲۵﴾ شیخ الاسلام، حافظ مغرب الیوم، یوسف بن عبد اللہ بن محمد الحمیری القرطبی المالکی نامور عالم ہیں۔ اتمہد آپ کی مشہور تصنیف ہے۔ بعض علماء نے آپ کو امام ابن حزم اور امام بیہقی اور خطیب بغدادی پر برتری دی ہے۔

﴿۲۶﴾ الزھر النضر ص ۷۹

﴿۲۷﴾ الزھر النضر ص ۷۹، اما اجتماع التبی صلی اللہ علیہ وسلم وتعزیتہ لاجل بیوتہم بجمعون بغسلہ فروی من طرق صحاح۔

ہیں۔ ان میں سے چند ایک روایات اور واقعات یہ ہیں:

جب آنحضرت ﷺ کا وصال ہوا تو حضرت ابو بکر حجرہؓ نبویؐ میں داخل ہوئے، انھوں نے آپ ﷺ کو پکڑے سے ڈھکا ہوا پایا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھی اور نماز جنازہ ادا کی۔ اہل بیت رونے لگے جب انھوں نے رونا بند کیا تو دروازہ پر ایک آدمی کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ ”اے اہل بیت تم پر سلام ہو، ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ آپ لوگوں کو قیامت میں اس کا اجر ملے گا۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں ہر انسان کا خلف اور ہر خوفناک چیز سے نجات بھی ہے۔ بس آپ اسی سے امید رکھیں اور اسی پر بھروسہ رکھیں۔ مصیبت زدہ وہ ہے جسے ثواب نہ ملے۔“

اہل بیت نے یہ آواز سن کر رونا بند کیا اور اس شخص کا پتہ لگانے کی کوشش کی لیکن کوئی انھیں دیکھ نہ سکا۔ جب اہل بیت دوبارہ رونے لگے تو ایک اور آواز آئی ”اے اہل بیت! اللہ کا ذکر کرو اور ہر حال میں اسی کا شکر کرو تا کہ مخلصین میں سے ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہر مصیبت کا صبر اور ہر ہلاک ہونے والا کا عوض ہے۔ پس اسی پر اعتماد کرو اور اسی کی اطاعت کرو، بے شک مصیبت اس کی ہے جو ثواب سے محروم ہوا۔“ آواز بند ہوئی تو حضرت ابو بکر نے کہا کہ یہ حضرت خضر اور حضرت الیاس علیہما السلام ہیں۔ جو رسول اللہ ﷺ کی وفات کے موقعہ (پر تعزیت کے لیے) آئے تھے ﴿۲۸﴾

حضرت انس (۱۰ق ھ - ۹۳ھ ۶۱۲-۷۱۳ء) کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے وفات پائی تو صحابہ آپ کے ارد گرد جمع ہو کر رونے لگے۔ اسی اثنا میں ازار اور چادر میں لمبوس ایک چوڑے شانوں والا شخص آیا اور آگے بڑھا۔ دروازے کے بازو پکڑ کر یہ شخص رویا اور پھر صحابہ کی طرف متوجہ ہو کر کہا ”اللہ تعالیٰ کے یہاں ہر مصیبت کا صلہ، ہر نقصان کا عوض اور ہر

جانے والے کے بعد اس کے پسماندگان ہیں، پس اسی پر بھروسہ کرو اور مصیبت میں اسی کی طرف دیکھو۔ مصیبت زدہ تو وہ ہے جسے ثواب نہ ملے۔“ یہ شخص چلا گیا تو حضرت ابو بکر نے کہا کہ اس شخص کو میرے پاس لاؤ۔ لوگوں نے ادھر ادھر تلاش کیا تو اسے نہ پایا۔ اس پر حضرت ابو بکر نے کہا کہ ”شاید ہمارے نبی کے بھائی خضرؑ تھے، جو ہماری تعزیت کو آئے تھے“ ﴿۲۹﴾

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جب وفات ہوئی تو ہم تمہیز و تکفین کی تیاری کرنے لگے۔ لوگ باہر نکلے، جگہ خالی ہونے پر میں نے آپ کو غسل پر رکھا۔ گھر کے کونے سے ایک غیبی پکارنے والے نے بلند آواز سے پکارا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل نہ دو۔ وہ پاک و صاف ہیں۔ میرے دل میں اس سے خدشہ پیدا ہوا، میں نے کہا ”تم پر افسوس، تم کون ہو؟ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے اس کا حکم دیا ہے اور یہ آپ کی سنت ہے۔“ اسی اثنا میں گھر کے ایک کونے سے دوسرے آواز دینے والے نے بلند آواز میں کہا کہ ”محمد ﷺ کو غسل دو۔ پہلا پکارنے والا ابلیس ملعون تھا، اسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر حسد آیا کہ آپ قبر میں مغسول داخل ہوں۔“ میں نے کہا، جزاک اللہ تعالیٰ خیرا۔ آپ نے کہا کہ وہ ابلیس تھا۔ آپ کون ہیں؟ اس نے جواب دیا ”میں خضر ہوں، رسول اللہ کے جنازے میں حاضر ہوا ہوں“ ﴿۳۰﴾

ایک اثر میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی جب وفات ہوئی۔ صحابہ جمع ہوئے، اس دوران ایک چمکتی داڑھی والے جسیم اور خوبصورت شخص آئے اور گردنوں کو پھلانگتے ہوئے آگے بڑھے اور رونے لگے۔ پھر صحابہ کی طرف متوجہ ہو کر کہا ”بے شک اللہ کے یہاں ہر مصیبت پر صبر اور اللہ کے یہاں ہر فوت شدہ چیز کا بدلہ ہے اور ہر جانے والے کے بعد دوسرا ہے۔ پس اللہ کی طرف رجوع کرو، اسی کی طرف راغب ہو جاؤ، اللہ نے تمہاری مصیبت میں نظر رحمت فرمائی

﴿۲۹﴾ قصص الانبیاء ۵۲۹:۲، الاصابہ ۳۱۶:۲-۳۱۷

﴿۳۰﴾ روح المعانی ۳۲۲:۱۵

ہے، تم بھی اسی کی طرف نظر کرو۔ مصیبت زدہ وہ ہے جو اجر سے محروم ہوا۔ اس کے بعد حضرت ابو بکر اور حضرت علی نے کہا کہ یہ خضر علیہ السلام تھے ﴿۳۱﴾

ایک روایت میں کہا گیا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک میت کی جنازہ پڑھانے کھڑے ہوئے تو پیچھے سے کسی نے آواز دی ”خدا آپ پر رحم کرے، ہم کو بھی نماز میں شریک ہونے دیجئے۔“ لوگوں نے انتظار کیا یہاں تک کہ وہ شخص آکر صف میں مل گیا۔ تکبیر کہنے کے بعد اس شخص نے کہا ”اے اللہ اگر تو اس شخص کو عذاب دے تو بے شک اس نے تیری نافرمانی کی ہے۔ اگر تو اسے معاف کرے تو بے شک یہ تیری رحمت کا محتاج ہے۔“ حضرت عمر اور صحابہ اس شخص کو دیکھتے رہے، جب میت کو دفن کیا گیا اور قبر کی مٹی برابر ہوئی تو اس شخص نے کہا ”اے قبر والے! تیرے لیے خوشخبری ہو، اگر تم گمراہ، تفتیش کرنے والے، خازن، کاتب اور سپاہی نہیں تھے۔“ حضرت عمر فاروق نے لوگوں سے کہا کہ اس شخص کو ہمارے پاس لاؤ۔ ہم اس سے، اس کی نماز اور اس کی باتوں کے متعلق سوال کریں گے۔ لیکن یہ شخص جا چکا تھا۔ اس کے قدموں کے نشان ایک ذراع (۱۱۸ انچ سے ۱۲۲ انچ کی لمبائی) لمبے تھے۔ اس پر حضرت عمر نے کہا ”واللہ یہ تو حضرت خضر علیہ السلام تھے جن کے بارے میں آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو خبر دی ہے“ ﴿۳۲﴾

خلیفہ ولید بن عبدالملک (۵۰-۹۶ھ/۶۷۱-۷۱۵ء) ﴿۳۳﴾ نے ایک مرتبہ رات کو جامع مسجد دمشق میں عبادت کرنے کا ارادہ کیا۔ انھوں نے مسجد کے قوام کو حکم دیا کہ مسجد میں رات

﴿۳۱﴾ روح المعانی ۲۲:۱۵

﴿۳۲﴾ قصص الانبیاء ۲: ۵۳۰، الاصابہ ۲: ۳۱۸، الزہر البصر ص ۱۲۱-۱۲۲، روح المعانی ۲۲:۱۵

﴿۳۳﴾ ابوالعباس الولید بن عبدالملک مشہور اموی خلیفہ کے دور میں مسلمانوں کو عظیم فتوحات حاصل ہوئیں۔ ولید کو دنیا کے بہترین سپہ سالار محمد بن قاسم، قتیبہ بن مسلم، موسیٰ بن نصیر اور طارق ابن زیاد میر آئے جنہوں نے چین، سندھ اور اندلس فتح کیے۔ حضرت عمر فاروق کے بعد سب سے زیادہ فتوحات انھیں کے دور خلافت میں ہوئیں۔ ولید نے جامع دمشق تعمیر کرائی۔

کو اور کوئی نہ ہو۔ جب رات ہوگی تو خلیفہ آئے اور مسجد میں داخل ہوئے۔ مسجد میں انھوں نے دیکھا کہ ان کے اور باب خضر کے درمیان ایک شخص نماز پڑھ رہا ہے۔ لوگوں سے کہا کیا میں نے حکم نہیں دیا تھا کہ مسجد رات کو خالی ہونی چاہیے۔ انھوں نے جواب دیا ”امیر المؤمنین! یہ خضر علیہ السلام ہیں، ہر رات یہاں آتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں“ ﴿۳۴﴾

ریاح بن عبیدہ (نامعلوم) ﴿۳۵﴾ کہتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو حضرت عمر بن عبدالعزیز (۶۳-۱۰۱ھ/۶۸۲-۷۲۰ء) ﴿۳۶﴾ کے ساتھ چلتے ہوئے دیکھا وہ ان کے ہاتھ کے سہارے چل رہے تھا۔ جب حضرت عمر بن عبدالعزیز نماز سے واپس لوٹے تو میں نے پوچھا ”یہ کون تھے جو ابھی ابھی آپ کے ہاتھ کا سہارا لیے ہوئے آپ کے ساتھ چل رہے تھے۔“ انھوں نے کہا ”ریاح کیا تو نے انھیں دیکھا؟“ میں نے کہا ”ہاں“ انھوں نے کہا ”میں تمہیں صالح انسان سمجھتا ہوں، یہ میرے بھائی خضر تھے جنہوں نے مجھے خلافت کی خوشخبری دی اور کہا کہ میں عدل سے کام لوں گا“ ﴿۳۷﴾

حضرت خضر کے بارے میں یہ بہترین اثر ہے۔ جس کے متعلق ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں:

قلت هذا صلح اسناد وقف علیہ فی هذا الباب ﴿۳۸﴾

﴿۳۴﴾ البدایہ والنہایہ ۳۳۳:۱، قصص الانبیاء ۵۳۳:۲، الاصابہ ۳۱۲:۲

﴿۳۵﴾ ریحان بن عبیدہ الباطنی الکوفی۔ محدثین کے نزدیک ثقہ ہیں، ابن معین، ابوزرہ، امام نسائی اور ابن حجر نے ان کی توثیق کی ہے۔ ریحان نے حجاز میں سکونت اختیار کی تھی۔ تقریباً ۳۳۰-۳۳۱

﴿۳۶﴾ امیر المؤمنین حضرت عمر بن عبدالعزیز کا تعلق بنو امیہ سے ہے۔ آپ کی ماں ام عامرہ حضرت عمر فاروق کی پوتی تھیں، ولید بن عبدالملک کے زمانے میں مدینہ کے گورنر تھے۔ سلیمان بن عبدالملک کے مشیر تھے۔ ان کے بعد خلیفہ ہوئے۔ ڈھائی سال تک عدل و انصاف کے ساتھ خلافت کے فرائض انجام دئے۔ عمر ثانی کہلائے گئے۔ خلفائے راشدین میں شمار ہوتے ہیں۔ مورخین نے خلیفہ فاس کا نام دیا ہے۔ لؤلؤ الانوار ۳۳۱:۱

﴿۳۷﴾ البدایہ والنہایہ ۳۳۳:۱، قصص الانبیاء ۵۳۳:۲، الاصابہ ۳۳۰:۲

﴿۳۸﴾ الزہر النضر ص ۱۵۱

”میں کہتا ہوں کہ اس باب میں یہ سب سے اچھی سند ہے جو مجھے

ملی ہے۔“ ابن حجر مزید لکھتے ہیں:

لأبأس برجاله ولم يقع لى الآن خبر ولا اثر بسند جيد غيره ﴿۳۹﴾

”اس کے رجال میں کوئی خامی نہیں ہے۔ مجھے اب تک اس کے

سوا جید سند کے ساتھ کسی دوسری خبر یا اثر کی واقفیت نہیں ہے۔“

حافظ موصوف کا بیان ہے کہ یہ اثر حدیث ”مائۃ سۃ“ سے معارض نہیں ہے کیونکہ یہ صدی کے خاتمے سے پہلے کی بات ہے، ابن حجر عسقلانی کا بیان حیات خضر کے قائلین کے نزدیک ایک مستند دلیل ہے۔ انھوں نے ان کے اس بیان کو اپنی تحریروں میں نقل کیا ہے۔

شاہ فضل الرحمن گنج مراد آبادی (المتوفی ۱۳۱۳ھ/۱۸۹۵ء) ﴿۴۰﴾ بھی حضرت خضر کی حیات کے قائل رہے ہیں۔ ۱۸۵۷ء میں شاہ فضل الرحمن اُن مجاہدین میں شامل تھے جو انگریزوں کے مقابلے میں لڑ رہے تھے۔ اچانک ایک دن مولانا کو دیکھا گیا کہ بھاگے جا رہے ہیں اور کسی چودھری کا نام لے کر جو باغیوں کی فوج کی افسری کر رہا تھا، کہتے جا رہے تھے کہ ”لڑنے سے کیا فائدہ ہوگا؟ خضرؑ کو تو میں انگریزوں کی صف میں پارہا ہوں“ ﴿۴۱﴾۔ پھر غدر کے بعد جب گنج مراد آباد کی ویران مسجد میں حضرت مولانا شاہ فضل الرحمن صاحب جاکر مقیم ہوئے تو اتفاقاً اسی راستے سے جس کے کنارے مسجد تھی، انگریزی فوج گزر رہی تھی۔ مولانا مسجد سے دیکھ رہے تھے۔ اچانک مسجد کی سیڑھیوں سے اتر کر دیکھا گیا کہ انگریزی فوج کے ایک سائس سے باتیں کر کے پھر مسجد میں واپس ہو گئے اور استفسار کرنے پر از خود فرمانے لگے

﴿۳۹﴾ فتح الباری ۶: ۴۳۵، الاصابہ ۲: ۳۳۰

﴿۴۰﴾ حضرت مولانا فضل الرحمن بن محمد فیاض گنج مراد آبادی انیسویں صدی عیسوی کے مشہور بزرگ تھے۔ مولانا ابو الحسن علی ندوی نے ان کی سوانح ”تذکرہ مولانا فضل الرحمن گنج مراد آبادی“ کے عنوان سے لکھی ہے۔

﴿۴۱﴾ سید مناظر حسن گیلانی۔ سوانح قاسمی۔ دارالعلوم دیوبند ۲: ۱۰۳ (حاشیہ)

حضرت خضر: تحقیق کی روشنی میں

۱۳۶

کہ سائس جس سے میں نے گفتگو کی تھی۔ یہ خضر تھے میں نے پوچھا یہ کیا حال ہے؟ تو جواب میں کہا ”یہی حکم ہوا ہے“ ﴿۲۲﴾

صوفیا کے نزدیک حضرت خضر کی حیات کا انکار کرنا جہالت ہے۔ شیخ یعقوب چرنی کے بیان کے مطابق ایک بزرگ کا کہنا ہے کہ یہ جہل کی انتہا ہوگی کہ اگر کوئی حضرت خضر اور الیاس کے وجود کا منکر ہو ﴿۲۳﴾۔ یہی راۓ مرآۃ الاسرار کے مصنف کی ہے ﴿۲۴﴾

حضرت خضر کی نبوت میں اختلاف ہے۔ بعض علما کا خیال ہے کہ حضرت خضر ولی ہیں۔ ابوبکر بن الانباری (المتوفی ۳۲۸ھ/۹۳۹ء) ﴿۲۵﴾ اس رائے کے قائل ہیں ﴿۲۶﴾۔ امام ابو القاسم قشیری کا بیان ہے کہ حضرت خضر نبی نہیں، ولی تھے ﴿۲۷﴾۔ اکثر صوفیا حضرت خضر کو ولی مانتے ہیں۔ چنانچہ بعض صوفیا ولی کو نبی پر فضیلت دیتے ہیں اور استدلال میں حضرت خضر اور حضرت موسیٰ کا واقعہ پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ حکیم ترمذی نے ختم ولایت کا نظریہ پیش کیا۔ تفصیل کے سلسلے میں سعد الدین بن حمویہ (المتوفی ۶۲۵ھ/۱۲۲۷ء) ﴿۲۸﴾ اور شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کا نام بھی لیا جاتا ہے۔ شیخ اکبر کا یہ شعر اکثر زیر بحث لایا گیا ہے۔

مقام النبوة فی برزخ فوق الرسول ودون الولی

علما کی بڑی تعداد حضرت خضر کو نبی مانتی ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس ان کی نبوت کے

﴿۲۲﴾ سوانح قاضی ۱۰۳:۲۔ یہ واقعہ میرے لیے ہمیشہ ناقابل فہم رہا ہے۔ مصنف

﴿۲۳﴾ رسالہ ابدالیہ ص ۲۸، کئی از کبراء گفتہ اند کہ کمال جہل است آنکہ کسی وجود خضر و خولیا الیاس را منکر باشد۔

﴿۲۴﴾ مرآۃ الاسرار ۳۵:۱، ہر کسی کہ وجود الیاس و خضر را منکر شود از قایت جہل باشد۔

﴿۲۵﴾ محمد بن القاسم بن بشار النخعی علم و فضل اور صدق و دیانت کے لیے مشہور تھے۔

﴿۲۶﴾ الزہر القدر ص ۶۹

﴿۲۷﴾ الرسالۃ القشیریہ ۶۶۸:۲، عبدالعزیز دباغ المغربی نے بھی حضرت خضر کو ولی کہا ہے۔

﴿۲۸﴾ شیخ سعد الدین ابوبکر محمد حوی، شیخ نعم الدین کبری کے مرید تھے۔ ایک زمانہ تک صالحہ دمشق میں قیام کیا۔ خراسان

میں انتقال کیا۔ حزار بحر آباد میں ہے۔ سفیدۃ الاولیاء ص ۱۰۵

قائل ہیں۔ وہب بن منہ کی رائے بھی یہی ہے۔ ابن اسحاق کا قول ہے کہ حضرت خضر نبی ہیں۔

مفسرین میں امام ثعلبی کا بیان ہے کہ وہ نبی ہیں۔ امام زحشری بھی ان کی نبوت کے قائل ہیں۔ قرطبی کا کہنا ہے کہ حضرت خضر نبی ہیں۔ ابو حیان کا قول ہے کہ عام رائے یہ ہے کہ وہ نبی ہیں۔ حافظ ابن کثیر نے ان کی نبوت کی تائید میں قرآن سے چار دلیلیں دی ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس رائے کو ترجیح دی ہے کہ وہ نبی تھے۔ علامہ آلوسی کا بیان ہے کہ جمہور کی رائے یہ ہے کہ وہ نبی ہیں، رسول نہیں اور جمہور کی رائے ہی درست ہے۔ حضرت ابن عباس اور وہب بن منہ کا قول ہے کہ وہ غیر مرسل نبی تھے۔ یہی رائے اقرب الی الصواب معلوم ہوتی ہے ﴿۴۹﴾

صوفیاء کے یہاں اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت خضر اور حضرت الیاس بہ قید حیات ہیں اور بحر و بر میں اولیائے کرام کی تعلیم و تادیب، گم گشتہ راہ مسافروں کی رہبری، حاجت مندوں کی حاجت روائی اور مردانِ غیب کی نگرانی کا فرض انجام دیتے ہیں۔ تصوف کی کتابوں میں ان دونوں کے ساتھ صوفیاء کی ملاقات کے واقعات کثرت سے نقل کیے گئے ہیں۔

اہل تصوف کے یہاں حضرت خضر اور حضرت الیاس سے ملاقات کرنے کے لیے مخصوص نماز اور عملیات و وظائف کی تلقین کی جاتی ہے۔ جنگل صحرا یا بیابان میں راستہ کھوجانے کی صورت میں گم شدہ انسان، جانور اور مویشی کی بازیابی کے لیے اور سمندری سفر میں راستہ کھوجانے کی صورت میں یا جہاز کی سلامتی کے واسطے ان سے استمداد کی جاتی ہے حتیٰ کہ بعض مقامات پر حضرت خضر کے نام نذر مانی جاتی ہے۔

﴿۴۹﴾ الاصابہ ۲: ۲۸۸، الزحمر ص ۶۷۔ شیخ محمد الدین ابن عربی کا بیان ہے۔ ”کان الخضر فی حکمہ علی شرع

رسول غیر موسیٰ“۔ دیکھئے: الفتوحات المکیہ، السفر الثانی عشر

اربابِ نظر کے نزدیک حضرت خضر کی چند علامات ہیں جن سے ان کی شناخت ہوتی ہے۔ مثلاً ان کے ہاتھ کی بیچ والی انگلی دوسرے لوگوں کی طرح لمبی نہیں ہے بلکہ انگشت شہادت کے برابر ہے نیز ان کے دائیں ہاتھ کے انگوٹھے میں ہڈی نہیں ہے اور ان کی ایک آنکھ کی پتلی پارے کی طرح حرکت کرتی رہتی ہے۔ اس کے علاوہ ان کے پاؤں تلے زمین سرسبز ہو جاتی ہے ان کے پاؤں ایک ذراع لمبے ہوتے ہیں۔ حضرت خضر کے دیدار کی علامت یہ ہے کہ ان کی ملاقات سے پہلے قدرے بارش ہوتی ہے۔ حضرت خضر سے اکثر خرق عادات کا صدور ہوتا ہے۔ صوفیا کے بقول وہ پانی پر چلتے ہیں، ہوا میں نماز پڑھتے ہیں، زمین کو پاؤں سے لپیٹ لیتے ہیں۔ انھیں طئی مکان اور طئی زمان کی کرامت حاصل ہے۔ ان سے مختلف کرامات کا صدور ہوتا ہے۔

حضرت خضر، ان کی عمر جاوداں اور آبِ حیات کی داستان ختم ہوتی ہے۔

والحمد لله رب العالمین

حضرت الیاس علیہ السلام

رجال الغیب کی ایک اہم کڑی حضرت الیاس علیہ السلام ہیں۔ حضرت خضر کی طرح ان کے متعلق بھی مشہور ہے کہ وہ بقید حیات ہیں۔ مشہور تابعی مکحول حضرت ابی بن کعب سے روایت کرتے ہیں کہ چار پیغمبر زندہ ہیں۔ ان میں سے دو زمین پر ہیں، اور دو آسمان میں ہیں۔ یہ حضرت ادریس اور حضرت عیسیٰ ہیں ﴿۱﴾۔ ضعیف سند کی ایک روایت میں کہا گیا ہے کہ انبیاء میں سے چار پیغمبر زندہ ہیں۔ ان میں سے دو حضرت عیسیٰ و حضرت ادریس آسمان میں ہیں اور دو حضرت خضر و حضرت الیاس زمین میں ہیں۔ حضرت خضر سمندر میں اور حضرت الیاس خشکی میں ہیں ﴿۲﴾۔ حضرت حسن بصری کا کہنا ہے کہ حضرت الیاس بیابان اور حضرت خضر سمندروں کے موکل ہیں۔ ان دونوں کو اس وقت تک ابدی زندگی دی گئی ہے جب پہلا صور پھونکا جائے گا ﴿۳﴾۔ امام ثعلبی کی بیان کردہ روایت کے مطابق حضرت خضر و الیاس اس وقت تک دنیا میں زندہ رہیں گے جب تک دنیا میں قرآن رہے گا اور جب قرآن اٹھایا جائے گا، اس وقت یہ دونوں وفات پائیں گے ﴿۴﴾۔ شیخ محی الدین ابن عربی کا بیان ہے کہ چار رسولوں کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں جسم کے ساتھ زندہ رکھا ہے۔ ان میں تین حامل شریعت ہیں۔

﴿۱﴾ البدایہ والنہایہ ۱: ۳۳۷

﴿۲﴾ الاصابہ ۲: ۲۹۳

﴿۳﴾ الاصابہ ۲: ۲۹۳

﴿۴﴾ قصص الانبیاء لیسى بالعراس ص ۲۲۱

یہ ادریس، الیاس اور عیسیٰ ہیں۔ ایک حامل علم لدنی ہیں جو خضر علیہ السلام ہیں ﴿۵﴾

صوفیا کی کتابوں میں حضرت خضر کے ساتھ ساتھ حضرت الیاس کا بھی ذکر آتا ہے۔ ان کے بارے میں بھی عام خیال یہ ہے کہ وہ راستہ سے بھٹکے ہوئے مسافروں کو راستہ دکھاتے ہیں۔ اور بوقت ضرورت نیک لوگوں کی دستگیری کرتے ہیں۔ اوپر ایلیاہ نبی کے نام سے ان کا تفصیلی ذکر آچکا ہے۔

بنی اسرائیل کی حالت جب خراب ہوتی تھی تو اللہ تعالیٰ ان کے یہاں انبیاء مبعوث کرتا جو دین موسوی کی تجدید کرتے، عوام کو توحید و شریعت کی طرف دعوت دیتے اور ان کی رہنمائی کرتے۔ نویں صدی قبل مسیح میں بنی اسرائیل کے بادشاہ اخاب (انخی اب) نے صیدانیوں کے بادشاہ ابعل کی بیٹی ایزبل سے شادی کی۔ اخاب نے اپنی بیوی کے زیر اثر اہل بعلبک کے بت بعل کی پرستش شروع کی۔ اخاب کی بیوی ایزبل نے اپنے شوہر کو قابو میں کر کے بنی اسرائیل کے مذہب کو سخت نقصان پہنچایا۔ وہ فطرتاً خراب تھی۔ اس نے بنی اسرائیل کے سات بادشاہوں سے (یکے بعد دیگرے) شادی کی اور متعدد پیغمبروں کو قتل کیا ﴿۶﴾۔ جب اخاب اور اس کی بیوی کا ظلم و عدوان حد سے بڑھ گیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت الیاس کو مبعوث کیا۔

ابن قتیبہ کے مطابق حضرت الیاس حضرت یوشع بن نون کی اولاد ہیں ﴿۷﴾۔ مفسر ثعلبی کا بیان ہے کہ آپ کا نام الیاس بن یاسر بن فحاص بن عیزار بن ہارون ہے ﴿۸﴾ حافظ ابن کثیر کے مطابق ان کا نام الیاس تھی، الیاس ابن یاسین بن فحاص بن العیزار بن ہارون اور الیاس بن العار بن العیزار بن ہارون بن عمران بتایا جاتا ہے ﴿۹﴾

﴿۵﴾ الفتوحات المکیہ باب ۷۳ شیخ عبد الوہاب شعرائی۔ البدایہ والنہایہ ص ۱۲۷ ۱۰۰:۲

﴿۶﴾ کتاب المعارف ص ۲۵ ابن قتیبہ نے لکھا ہے کہ حضرت یحییٰ کو اسی بادشاہ نے شہید کیا تھا جو صحیح نہیں ہے۔ مصنف

﴿۷﴾ کتاب المعارف ص ۲۵ ﴿۸﴾ قصص الانبیاء و اہل البیوت ص ۲۷۱

﴿۹﴾ البدایہ والنہایہ ۱: ۳۳۷ قصص الانبیاء ۲: ۲۳۰

تورات کے مطابق حضرت الیاس نے مبعوث ہونے کے بعد انخی اب سے کہا کہ آئندہ دو یا تین برسوں میں نہ اوس پڑیگی اور نہ بارش ہوگی جب تک نہ میں کہوں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان پر وحی کی کہ یہاں سے چل کر مشرق کی طرف رخ کر اور کربت کے نالے کے پاس جو یردن کے سامنے ہے، چھپ کر بیٹھ جا۔ اسی نالے سے پانی پی لینا، میں نے کوؤں کو حکم دیا ہے کہ وہ تیری پرورش کریں۔ حضرت الیاس جب خدا کے حکم کے مطابق اس جگہ رہنے لگے تو کوے ان کے لیے صبح اور شام کو روٹی اور گوشت لاتے تھے ﴿۱۰﴾

حضرت الیاس نالے سے پانی پیا کرتے تھے۔ قحط سالی کی وجہ سے کچھ عرصہ بعد نالہ سوکھ گیا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انھیں حکم ملا کہ وہ ایک دوسرے شہر صاریت جائیں جہاں حکم الہی کے مطابق ایک بیوہ ان کی پرورش کرے گی۔ حضرت الیاس جب صاریت کے شہر پھانک پر پہنچے تو وہاں ایک بیوہ لکڑیاں چن رہی تھی۔ انھوں نے بیوہ سے پکار کر کہا کہ وہ ان کے لیے کسی برتن میں پانی لائے۔ جب بیوہ ان کے لیے پانی لینے چلی تو حضرت الیاس نے پکار کر آواز دی کہ وہ ان کے لیے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا بھی لے آئے۔ بیوہ نے ان کے الفاظ سن کر قسم کھا کر کہا کہ میرے پاس مکے میں صرف مٹھی بھر آنا اور ٹمبی میں تھوڑا سا تیل بچا ہے۔ میں لکڑیاں اس لیے چن رہی تھی کہ گھر جا کر روٹی پکاؤں اور میں اور میرا بیٹا اسے کھائیں، اس کے بعد ہمیں فاقے سے مرنا ہوگا۔ حضرت الیاس نے بیوہ سے کہا کہ وہ فکر مند نہ ہو بلکہ اسی آٹے اور تیل سے پہلے ان کے لیے روٹی کی ٹکیاں بنا کر لائے، بعد میں وہ اپنے اور اپنے بیٹے کے لیے روٹی بنا لے۔ بیوہ حضرت الیاس کے لیے جو آب بیوہ کے مکان میں اترے تھے، روٹی بنا کر لائی۔ حضرت الیاس کی دعا سے آٹے اور تیل میں ایسی برکت ہوئی کہ بیوہ اور اس کا بیٹا بہت دنوں تک اسے کھاتے رہے۔

کچھ عرصہ بعد بیوہ کا بیٹا سخت بیمار ہو کر مر گیا۔ بیوہ کی حالت پر ترس کھا کر حضرت الیاس نے خدا سے دعا کی کہ بیوہ کے مردہ بیٹے کو پھر سے زندگی عطا ہو۔ خدا نے ان کی دعا قبول کی اور بیوہ کا بیٹا جی اٹھا۔ بیٹے کے دوبارہ زندہ ہونے پر عورت نے حضرت الیاس سے کہا کہ اب اسے یقین ہو گیا کہ وہ خدا کے پیغمبر ہیں اور ان کی زبان پر خدا کا کلام جاری ہے۔

تیسرے سال حضرت الیاس پر وحی نازل ہوئی کہ وہ اخاب سے جا کر ملیں، اب اللہ تعالیٰ زمین پر مینہ برسائے گا، چنانچہ حضرت الیاس اخاب سے ملنے کے لیے روانہ ہوئے۔

اخاب کی سلطنت سامریہ میں قحط سالی تھی۔ بادشاہ اور اس کی بیوی اس قحط سالی کا ذمہ دار حضرت الیاس کو سمجھتے تھے۔ انھوں نے بہت سے صلحا اور حضرت الیاس کے عقیدت مندوں کو قتل کروایا اور خود حضرت الیاس کی تلاش شروع کی۔ اخاب کا دیوان عبدیہ خفیہ طور پر ایمان لا چکا تھا۔ اس نے سوانبیاء کو ایک غار میں چھپایا اور انھیں روٹی اور پانی پہنچاتا رہا۔ اخاب نے عبدیہ کو حکم دیا کہ وہ ملک کے تمام چشموں اور نالوں پر جائے شاید کہیں گھاس مل جائے جس سے ان کے گھوڑے اور خچر ہلاک ہونے سے بچ جائیں۔ اخاب تنہا ایک راستے سے روانہ ہوا اور عبدیہ دوسری جانب چلے تو راستے میں ان کی ملاقات حضرت الیاس سے ہوئی۔ انھوں نے تعظیم بجالا کر حضرت الیاس سے کہا کہ بادشاہ اخاب نے تیری تلاش میں ہر کارے دوڑائے ہیں لیکن حضرت الیاس نے عبدیہ سے کہا کہ میں آج اخاب سے ضرور ملوں گا۔ عبدیہ نے جب اخاب سے حضرت الیاس کے بارے میں کہا تو اخاب خود الیاس سے ملنے آیا۔ جب اس نے حضرت الیاس کو دیکھا تو کہا کیا بنی اسرائیل کا ستانے والا تو ہی ہے؟ حضرت الیاس نے جواب دیا: بنی اسرائیل کو میں نے نہیں ستایا ہے بلکہ تو نے اور تیرے باپ کے گھرانے نے ستایا ہے۔ تو نے اللہ کے احکام کو چھوڑ دیا اور تعلیم کی پرستش کرنے لگا۔ اب تم بنی اسرائیل کے تمام لوگوں، بعل کے ساڑھے چار سو اور لیسرت کے چار سو کاہنوں کو جو ایزبل کے دسترخوان پر کھاتے ہیں،

کوہ کرمل پر میرے پاس جمع کر دو۔ اخاب نے جب ان سب کو کوہ کرمل پر جمع کیا تو حضرت الیاس نے انھیں خطاب کر کے یہ مشہور تاریخی جملہ کہا:

”تم کب تک دو خیالوں میں ڈالنا ڈول رہو گے۔ اگر خداوند ہی خدا ہے تو

اس کے پیرو ہو جاؤ، اگر بعل ہے تو اس کی پیروی کرو۔“

اس کے بعد حضرت الیاس نے کہا کہ میں خدا کا تنہا پیغمبر بچا ہوں مگر بعل کے ساڑھے چار سو کاہن ہیں۔ ہم کو دو تیل دیئے جائیں۔ بعل کو کاہن ایک تیل چن لیں اور اسے ٹکڑے ٹکڑے کاٹ کر ٹکڑیوں پر دھر دیں۔ نیچے آگ نہ لگائیں، میں بھی اسی طرح اپنے تیل کو کاٹ کر ٹکڑیوں پر رکھ کے آگ نہیں لگاؤں گا۔ اس کے بعد بعل کے کاہن اپنے دیوتا سے دعا کریں کہ وہ آگ نازل کرے۔ میں بھی اپنے خداوند سے دعا کروں گا۔ جو آگ نازل کر کے جواب دے گا وہی خدا ہے۔ بعل کے کاہنوں نے حضرت الیاس کے اس چیلنج کو قبول کیا۔ انھوں نے اس تیل کو جو انھیں دیا گیا تھا، ذبح کر کے تیار کیا اور صبح سے دو پہر تک بعل سے دعا کرتے رہے، اے بعل ہماری سن۔ لیکن کوئی آواز نہ آئی۔ وہ اس قربان گاہ کے گرد جو انھوں نے بنائی تھی کودتے رہے مگر کوئی جواب نہ آیا۔

دو پہر کو حضرت الیاس ان کا مذاق اڑانے لگے اور کہنے لگے: بلند آواز سے پکارو وہ دیوتا ہے، شاید وہ کسی سوچ میں ہو گیا خلوت میں ہو گیا کہیں سفر پر ہو گیا ممکن ہے سو رہا ہوگا۔ اسے جگانا پڑے گا۔ بعل کے کاہن زور سے پکارنے لگے اور اپنی رسم کے مطابق انھوں نے اپنے آپ کو چھریوں اور نشتروں سے گھائل کیا اور لہو لہان ہو گئے۔ دو پہر ڈھلنے پر شام کی قربانی کی لیکن کوئی آواز نہ آئی اور نہ کوئی جواب آیا۔

اس کے بعد حضرت الیاس نے ان سب کو نزدیک آنے کو کہا۔ جب وہ نزدیک آ گئے تو حضرت الیاس نے منہدم شدہ قربان گاہ کی مرمت شروع کی۔ انھوں نے حضرت یعقوب کے

بارہ بیٹوں کے نام پر قبائل کے شمار کے مطابق بارہ پتھر لیے اور ان سے خدا کے نام کی قربان گاہ بنائی۔ انھوں نے قربان گاہ کے ارد گرد ایک کھائی کھودی، قرینہ سے لکڑیوں کو چٹنا اور تیل کے ٹکڑے ٹکڑے کاٹ کر انھیں لکڑیوں پر دھر دیا۔ سوختی قربانی اور لکڑیوں پر تین بار پانی اُنڈیلا گیا یہاں تک کہ پانی قربان گاہ کے ارد گرد بہنے لگا اور کھائی میں جمع ہو گیا۔ حضرت الیاس قربان گاہ کے قریب آئے اور انھوں نے خدا سے دعا کی:

”اے ابراہیم، اسحق اور یعقوب کے خدا آج معلوم ہو جائے کہ
اسرائیل میں تو ہی خدا ہے اور میں تیرا بندہ ہوں۔ میں نے یہ سب تیرے
حکم سے کیا ہے۔ میری سن اے خداوند میری سن تاکہ یہ لوگ جان
جائیں کہ اے خداوند تو ہی خدا ہے اور تو نے پھر ان کے دلوں کو پھیر
دیا ہے“ ﴿۱۱﴾

دعا کے بعد آسمان سے آگ نازل ہوئی اور سوختی قربانی کو لکڑیوں سمیت اور مٹی سمیت
بھسم کر دیا اور کھائی کا پانی خشک کر دیا۔ لوگوں نے دیکھا تو سجدہ میں گر پڑے۔ جب بعل کے
کاہن جھوٹے ثابت ہوئے تو حضرت الیاس نے حکم دیا کہ ان میں سے کوئی جانے نہ پائے۔
انھیں پہاڑ کے نیچے قتل کر دیا گیا۔ حضرت الیاس کی صداقت ثابت ہو جانے کے بعد بارش
ہوئی۔ بادشاہ اخاب نے یہ سارا واقعہ اپنی بیوی ایزہیل کو سنا کر کہا کہ حضرت الیاس نے بعل
کے کاہنوں کو قتل کر دیا۔ ایزہیل نے حضرت الیاس کے پاس قاصد روانہ کیا اور کہلا بھیجا کہ اگر
کل اس وقت تک میں انھیں کاہنوں کی طرح تمہیں قتل نہ کر دوں تو دیوتا میرے ساتھ ہی سلوک
کریں۔ چنانچہ حضرت الیاس وہاں سے نکل کر ایک مقام پر ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور
موت کی دعا کرنے لگے۔ درخت کی چھاؤں میں انھیں نیند نے غلبہ کیا اور وہ سو گئے۔ جاگ

اٹھے تو سرہانے انگاروں پر پکی ہوئی روٹی اور صراحی دیکھی۔ پھر اسی کھانے پر چالیس دن اور چالیس رات سفر کر کے ایک غار میں پناہ لی جہاں ان پر وحی نازل ہوئی کہ آپ کے بعد المسیح نبی ہونگے۔ حضرت الیاس دمشق کے قریب بیابان میں حضرت المسیح سے ملے جو اس وقت بارہ جوڑی بیلوں کے ساتھ آخری جوڑی کے ساتھ کھیت جوت رہے تھے۔ حضرت الیاس نے ان کے قریب سے گزر کر اپنی چادر اُن پر ڈال دی۔ دیکھتے ہی دیکھتے ان کی دنیا بدل گئی۔ وہ حضرت الیاس کے پیچھے ہوئے اور عرض کی کہ میں اپنے باپ اور ماں کو چوم لوں گا اور پھر آپ کے پاس واپس آؤں گا۔ حضرت الیاس نے اجازت دی، حضرت المسیح نے بیلوں کو ذبح کیا۔ جوے کو ایندھن بنا کر گوشت پکا یا اور لوگوں میں تقسیم کیا۔ اس کے بعد وہ حضرت الیاس کے پیچھے روانہ ہوئے اور ان کی خدمت کرنے لگے۔

جزریل میں بادشاہ اخاب کے محل کے نزدیک بنوت نامی شخص کا ایک تاجستان تھا۔ بادشاہ بنوت کے باغ کو اپنے قبضہ میں لینا چاہتا تھا تاکہ وہ اسے ترکاری کا باغ بنائے۔ اس نے بنوت کو ایک بہتر تاجستان دینے، اچھی قیمت دینے کی پیش کش کی لیکن بنوت نے باپ دادا کی میراث کو بیچنے سے انکار کیا۔ اخاب نے کھانا پینا چھوڑ دیا۔ اس کی بیوی جزبیل (ایزبیل) نے اسے کہا کہ میں بنوت کا باغ آپ کے لیے حاصل کروں گی۔ اس نے جزریل کے بزرگوں اور امیروں کے نام اخاب کے نام سے خطوط لکھے اور ان پر بادشاہ کی مہر لگادی۔ ان خطوط میں کہا گیا تھا کہ روزہ کی منادی کرا کے تمام لوگوں کو جمع کر دو اور بنوت کو لوگوں میں معزز اونچے مقام پر بٹھا دو، دوشیر آرمیوں کو رو برو لاؤ جو اس کے منہ پر اس کے خلاف گواہی دیں کہ اس نے خدا اور بادشاہ پر لعنت کی۔ پھر اسے باہر لے جا کر سنگسار کر دو تاکہ وہ مرجائے۔ سرکاری اہلکاروں اور معززین شہر نے حکم کی تعمیل کی۔ روزہ کی منادی کرا کے لوگوں کو جمع کیا اور بنوت کو ان کے بیٹوں بیچ اونچی جگہ پر بٹھایا۔ دوشیر آرمیوں کو لا یا جنہوں نے گواہی دی کہ بنوت نے

خدا اور بادشاہ پر لعنت کی ہے۔ اس کے بعد انھوں نے بنوت کو سنگسار کر دیا یہاں تک کہ وہ مر گیا جب ایزہیل کو خبر کی گئی کہ بنوت کو سنگسار کر کے مار دیا گیا ہے، تو اس نے اخاب سے کہا کہ اٹھ اور بنوت کے پاکستان پر قبضہ کر لو کیونکہ بنوت مر گیا ہے۔ اخاب بنوت کے پاکستان پر قبضہ کرنے کے لیے اپنے محل سے نکلا۔

حضرت الیاس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوئی کہ اخاب سے جا کر ملو جو اس وقت بنوت کے پاکستان میں ہے اور قبضہ کرنے وہاں گیا ہے۔ اس سے کہو کہ تو نے جان بھی لی اور قبضہ بھی کر لیا۔ اس سے کہو کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جہاں کتوں نے بنوت کا خون چاٹ لیا ہے، تیرا خون بھی وہیں چاٹ لیں گے۔ اخاب کی بیوی ایزہیل کو وعید سنائی گئی کہ یزہیل کے فیصل کے پاس اسے کتے کھائیں گے۔ اخاب اور یہودا کے بادشاہ یہوسف نے جب شاہ ارام کے خلاف فوج کشی کی تو اخاب مارا گیا۔ اخاب کے بعد اس کا بیٹا اخزیاء بادشاہ بنا۔ وہ بھی گمراہ اور بت پرست تھا۔ ایک روز سامریہ اپنے بالا خانے کی بالکونی سے گر کر سخت زخمی ہو گیا۔ اس نے عقرون کے دیوتا بعل زبوب کے پاس چند قاصد بھیجے تاکہ یہ معلوم کریں کہ اخزیاء صحت یاب ہوگا یا نہیں۔ حضرت الیاس پر وحی نازل ہوئی کہ جا کر اخزیاء کے قاصدوں سے ملو اور ان سے کہو کہ کیا اسرائیل میں خدا نہیں ہے جو تم بعل زبوب سے پوچھنے چلے ہو۔ اس لیے اب خدا فرماتا ہے کہ تم اس پلنگ سے ہرگز نہ اترو گے بلکہ اسی پر مرو گے۔ قاصد ابھی راستے ہی میں تھے کہ حضرت الیاس ان سے ملے اور حکم الہی کے مطابق انھیں اخزیاء کے بارے میں خدا کا فرمان سنایا۔ قاصد راستے میں حضرت الیاس سے ملاقات کر کے لوٹ آئے۔ جب بادشاہ نے لوٹ آنے کی وجہ پوچھی تو انھوں نے کہا کہ راستے میں ایک شخص ان سے ملے اور اس نے انھیں بادشاہ کے متعلق ایسی باتیں کہہ دی ہیں۔ بادشاہ اخزیاء نے اس شخص کے بارے میں دریافت کیا تو قاصدوں نے کہا کہ وہ بہت بالوں والا شخص تھا اور چمڑے کا کمر بند اپنی کمر پر

کے ہوئے تھا ﴿۱۲﴾

قاصدوں کی بات سن کر بادشاہ خزیابہ جان گیا کہ وہ حضرت الیاس ہیں۔ اس نے انھیں گرفتار کرنے کے لیے پچاس آدمیوں کا ایک دستہ روانہ کیا۔ سپاہیوں کے سردار نے دیکھا کہ وہ ایک ٹیلے کی چوٹی پر بیٹھے ہیں۔ اس نے حضرت الیاس کے پاس جا کر کہا کہ اے مرد خدا بادشاہ نے کہا ہے کہ تو نیچے اتر آ۔ حضرت الیاس نے جواب دیا کہ اگر میں مرد خدا ہوں تو آسمان سے آگ نازل ہوا اور تجھے اور پچاسیوں کو بھسم کر دے۔ آسمان سے آگ نازل ہوئی اور سب کو بھسم کر دیا۔ بادشاہ نے دوسرا دستہ روانہ کیا جو ایک سردار کی ماتحتی میں پچاس سپاہیوں پر مشتمل تھا۔ اس کا حشر بھی وہی ہوا جو پہلے دستے کا ہوا تھا۔ بادشاہ نے پچاس آدمیوں پر مشتمل تیسرے دستے کو حضرت الیاس کو پکڑنے کے لیے ایک سردار کی ماتحتی میں بھیجا۔ اس دستے کے سردار نے دانشمندی سے کام لیا اور حضرت الیاس کی منت سماجت کر کے انھیں بادشاہ کے پاس آنے پر آمادہ کیا۔ حضرت الیاس پر وحی نازل ہوئی کہ وہ بے خوف ہو کر اس کے ساتھ جائے۔ حضرت الیاس بادشاہ کے پاس آئے اور وہی حکم الہی جو انھوں نے قاصدوں کو بادشاہ کے متعلق سنایا، بادشاہ کے روبرو سنایا۔ چنانچہ وحی الہی کے مطابق بادشاہ اسی بیماری میں مر گیا ﴿۱۳﴾

حضرت الیاس اپنے خدمت گار حضرت الیسع کو لے کر جلیجال سے روانہ ہو گئے اور حضرت الیسع سے کہا کہ تم یہیں ٹھرو مجھے بیت ایل جانے کا حکم ہوا ہے لیکن حضرت الیسع نے اصرار کیا کہ وہ ان کے ساتھ رہیں گے۔ بیت ایل پہنچ کر انبیاء زادے حضرت الیسع کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ کیا تجھے معلوم ہے کہ خدا تعالیٰ آج حیرے آقا کو اٹھائیگا۔ انھوں نے کہاں ہاں میں جانتا ہوں۔ حضرت الیاس نے حضرت الیسع سے کہا کہ مجھے اریحا جانے کا حکم

﴿۱۲﴾ تورات، کتاب سلاطین، ۲۵، باب ۱: ۸

﴿۱۳﴾ تورات، کتاب سلاطین، باب ۹: ۱۷

ہوا ہے تم یہیں ٹھہرو لیکن حضرت الیسع نے کہا میں آپ کا ساتھ نہیں چھوڑوں گا۔ اریحہ پہنچے تو وہاں کے انبیاء زادے حضرت الیسع کے پاس آئے اور کہا کیا تجھے معلوم ہے کہ خدا تیرے آقا کو تیرے سر سے اٹھائے گا۔ انھوں نے جواب دیا ہاں میں جانتا ہوں تم چپ رہو۔ حضرت الیاس نے ان سے کہا کہ تم یہیں ٹھہرو، میں بحکم خدا یردن (اردن) کو جا رہا ہوں۔ لیکن حضرت الیسع نے اصرار کیا کہ میں آپ کے ساتھ رہوں گا۔ دونوں آگے چلے، پچاس انبیاء زادے ان کے ساتھ تھے۔ یہ لوگ دور کھڑے ہوئے۔ حضرت الیاس اور حضرت الیسع دریا اردن کے کنارے کھڑے ہوئے، حضرت الیاس نے اپنی چادر لپیٹ کر دریا کے پانی پر ماری۔ پانی کے دو حصے ہو گئے اور بیچ میں خشک زمین پر راستہ ہو گیا۔ دونوں دریا کے پار ہو گئے۔ دریا کے دوسری طرف دونوں باتیں کرتے ہوئے جا رہے تھے کہ ایک آتشی رتھ اور آتشی گھوڑوں نے ان دونوں کو جدا کر دیا اور حضرت الیاس بگو لے میں آسمان پر چلے گئے۔ حضرت الیسع میرے باپ میرے باپ کہہ کر چلائے۔ انھوں نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے۔ اوپر سے حضرت الیاس کی چادر گری۔ حضرت الیسع نے اسے اٹھالیا اور واپس مڑے۔ دریا پر پہنچ کر حضرت الیاس کی چادر کو پانی پر مارا۔ پانی دو حصوں میں تقسیم ہو گیا اور حضرت الیسع دریا پار ہو گئے ﴿۱۴﴾۔ رفع الیاس کا واقعہ مورخین کے مطابق ۸۴۵ ق. م میں پیش آیا ہے۔

ابن قتیبہ کے بیان کے مطابق اللہ تعالیٰ نے حضرت الیاس سے فرمایا ”ماگو میں عطا کروں گا“۔ حضرت الیاس نے دعا کی ”مجھے اپنی طرف اٹھا اور میری موت ٹال دے“۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے پر پیدا کر کے اپنی طرف اٹھالیا اور انھیں ایسی زمینی، آسمانی اور فرشتہ صفت مخلوق بنایا جو فرشتوں کے ساتھ پرواز کرتے ہیں ﴿۱۵﴾۔ ایک اور قول کے مطابق حضرت

﴿۱۴﴾ تورات کتاب سلاطین ۲، باب ۱: ۱۵

﴿۱۵﴾ کتاب الحارث ص ۲۵

الیاس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اٹھالیا، خور و نوش کی لذت ان سے ختم کی، انھیں پر عطا کیے اور وہ انسانی، ملکی، زمینی، آسمانی مخلوق بن گئے ﴿۱۶﴾۔ وہب بن مہبہ کے بقول جب لوگوں نے انھیں جھٹلایا اور درپے آزار ہوئے۔ تو حضرت الیاس نے موت کی دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس ایک سواری بھیجی جس کا رنگ آگ جیسا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں پر عطا کیے۔ نورانی لباس پہنایا، خور و نوش کی لذت ان سے ہٹائی اور وہ فرشتہ، بشر، آسمانی اور زمینی مخلوق بن گئے ﴿۱۷﴾

حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ حضرت الیاس بنی اسرائیل میں مبعوث ہوئے۔ وہ لوگ بعل کی پرستش کرنے لگے تھے۔ حضرت الیاس کی بددعا سے تین سال تک بارش نہ ہوئی۔ لوگوں نے آپ سے کہا کہ بارش کے لیے دعا کیجئے۔ بارش ہونے کے بعد ہم آپ پر ایمان لائیں گے۔ آپ نے دعا کی، بارش ہوئی لیکن قوم وعدے سے منکر گئی اور اپنے کفر پر اڑی رہی۔ حضرت الیاس نے خدا سے دعا کی کہ مجھے اپنی طرف اٹھا لیجئے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ فلاں جگہ جائیں وہاں جو سواری ملے اس پر سوار ہو جائیں۔ آپ وہاں پہنچے تو ایک نوری گھوڑا نظر آیا۔ جس پر آپ سوار ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں بھی نورانی بنایا اور وہ اپنے پردوں سے فرشتوں کے ساتھ اڑنے لگے اور ایک انسانی، ملکی، زمینی اور آسمانی مخلوق بن گئے ﴿۱۸﴾

تفسیر حسینی میں آیا ہے کہ حضرت الیاس کی یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ انسان بھی ہیں اور فرشتہ بھی، زمینی بھی ہیں اور آسمانی بھی۔ وہ بیابانوں کے موکل ہیں جیسے خضر دریا کے موکل ہیں۔ دونوں عرفات میں ایک دوسرے کے ساتھ ملاقات کرتے ہیں اور رمضان میں

﴿۱۶﴾ قصص الانبیاء، لمسی بالعرفس ص ۲۷۹

﴿۱۷﴾ البدایہ والنہایہ ۱: ۳۲۷-۳۲۸، الاکمل فی التاریخ ۱: ۲۱۳-۲۱۴

﴿۱۸﴾ ابن کثیر۔ تفسیر القرآن العظیم (تفسیر ابن کثیر) سورہ الصافات: ۱۲۳-۱۳۰

بیت المقدس میں افطار کرتے ہیں۔ صلحائے امت کی ایک جماعت انھیں دیکھتی ہے ﴿۱۹﴾
 قرآن حکیم میں حضرت الیاس کا نام سورۃ ”الانعام“ اور سورۃ ”الصف“ میں آیا ہے۔ سورۃ
 الانعام میں ان کا نام دوسرے انبیاء کرام کے ساتھ لیا گیا ہے ﴿۲۰﴾۔ ان کی دعوت اور تبلیغ کا
 تذکرہ نہیں کیا گیا ہے۔ جبکہ سورۃ الصف میں آٹھ آیات میں ان کا ذکر آیا ہے اور الیاس کے
 علاوہ ان کا نام ”ال یاسین“ بھی لیا گیا ہے۔

”الیاس بھی پیغمبروں میں سے تھے جبکہ انھوں نے اپنی قوم سے
 فرمایا کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے کیا تم بعل کو پوجتے ہو اور اس کو چھوڑ بیٹھے
 ہو جو سب سے بڑھ کر بنانے والا ہے معبود برحق ہے وہ تمہارا بھی رب
 ہے اور تمہارے اگلے باپ داداؤں کا بھی رب ہے سو ان لوگوں نے ان
 کو جھٹلایا سو وہ لوگ پکڑے جاویں گے مگر جو اللہ کے خاص بندے تھے
 اور ہم نے ان کے پیچھے آنے والے لوگوں میں یہ بات رہنے دی کہ
 الیاسین پر سلام ہو“ ﴿۲۱﴾۔

الیاس میں دوسرا لغت الیاسین ہے جیسے اسماعیل میں اسماعین ہے۔ بنو اسد میں اسی طرح
 یہ لغت ہے جیسے مکائیل کو میکال یا مکائیں، ابراہیم کو ابراہام، اسرائیل کو اسرائین اور طور سینا کو
 طور سینین کہا جاتا ہے۔ یہ لغت عرب میں مشہور اور رائج ہے ﴿۲۲﴾۔ الاقان میں کہا گیا ہے

﴿۱۹﴾ ماسد حین الواعظ الاشقی۔ تفسیر حسینی۔ بحی ۱۳۰۳ھ ص ۷۱

﴿۲۰﴾ الانعام: ۸۵

﴿۲۱﴾ الصف: ۱۲۳-۱۳۰

﴿۲۲﴾ تفسیر القرآن العظیم (تفسیر ابن کثیر) سورۃ الصف، البدایہ والنہایہ ۱: ۳۳۹، ابن کثیر کہتے ہیں: العرب تلحق النون

فی اسماء کثیرہ و تبدلھا من غیرھا کما قالوا اسماعیل و اسماعین اسرائیل و اسرائین و الیاس
 و الیاسین۔ لغات القرآن کے مصنف مولانا محمد عبدالرشید نعمانی نے شعراء عرب کے دوا شعار نقل کیے ہیں جن
 میں اسرائیل کو اسرائین کہا گیا ہے۔ دیکھئے: مولانا محمد عبدالرشید نعمانی۔ لغات القرآن۔ دہلی ۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء ص ۲۳۱

کہ الیاس سے الیاسین اسی طرح بنایا گیا ہے جیسے ادریس سے ادراسین بولتے ہیں ﴿۲۳﴾۔
فتح القدیر میں آیا ہے کہ الیاسین سے مراد الیاس ہیں۔ یاء اور نون کا اضافہ اس لیے کیا گیا ہے کہ
یہ انجی ہے جس کی مثال طور سینا سے طور سینین ہے ﴿۲۴﴾۔



﴿۲۳﴾ الاقان فی علوم القرآن ۱: ۱۷۹

﴿۲۴﴾ محمد سلیمان عبداللہ الاشقر۔ زبدۃ التفسیر من فتح القدیر، الکویت، الطبعة الاولى ۱۴۰۶ھ/ ۱۹۸۵ء ص ۵۹۴

مراجع

عربی

- (۱) علامہ ابوالفتح احمد بن ابراہیم الثعالبی
- (۲) امام احمد بن حنبل
- (۳) امام بخاری
- (۴) امام ترمذی
- (۵) شیخ حسین ابن محمد بن الحسن الدیاربکری
- (۶) شیخ عبدالرؤف المنادی
- (۷) شیخ عبدالوہاب شعرانی
- (۸) عمر رضا کمالہ
- (۹) ابوبکر عبدالرزاق ابن حمام الصغانی
- (۱۰) ابوجعفر محمد بن جریر الطبری
- (۱۱) ابوحاتم سہل البحتانی
- (۱۲) الامام ابو حامد محمد بن محمد الغزالی
- (۱۳) ابوالحسن علی بن یحییٰ المسعودی
- قصص الانبیاء المسماة بالمرآة، اسکندریہ ۱۲۸۲ھ
- المسند، دار صادر بیروت
- صحیح بخاری، دار احیاء التراث العربی القاہرہ ۱۳۷۸ھ/۱۹۵۸ء
- سنن الترمذی، تحقیق ابراہیم عطوہ غوث ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۲ء
- تاریخ الخلفاء، مصر، المطبعة الاولى ۱۳۰۲ھ
- الکواکب الدریہ، صحیح و تعلق محمود حسن رجب، مصر ۱۳۵۷ھ/۱۹۳۸ء
- تہذیب المتخرین، المطبعة الممیریہ مصر ۱۳۱۰ھ/۱۳۲۳ھ
- الطبقات الکبریٰ المسماة ببلوغ الانوار، قاہرہ، المطبعة الاولى ۱۳۷۳ھ/۱۹۵۳ء
- معجم المؤلفین، مکتبۃ المعنی بیروت و دار احیاء التراث العربی بیروت
- المعجم، تحقیق حبیب الرحمن الاعظمی ۱۹۷۲ء
- تاریخ الطبری، دار لکنت العلمیہ بیروت لبنان،
- الطبعة الثانية ۱۳۰۸ھ/۱۹۸۸ء
- کتاب المعمرین، مرتبہ اگناز کولڈیزوہر، بریل لیڈن ۱۸۹۹ء
- احیاء علوم الدین، شرکتہ مکتبہ و مطبعة، صلیفی البابی الحلی
- داو لادہ، مصر ۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ء
- مروج الذهب و معادن الجواهر، المطبعة الاذہریہ المصریہ،
- الطبعة الاولى ۱۳۰۳ھ

- (۱۳) ابو ذریٰ بن یحییٰ بن شرف بن مرے بن حسن الخرمی الجوزانی النوی تہذیب الاسماء واللغات، دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان
- (۱۵) ابو طاهر محمد بن یعقوب البغوی آبادی مجد الدین شیرازی سفر السعاده علی حاش کشف الغمہ، مطبع مصطفیٰ البابی الحنفی واولاد بمصر القاہرہ، الطبعة الاخرہ ۱۳۵۰ھ/۱۹۵۱ء
- (۱۶) ابو عبد اللہ بن محمد احمد الانصاری القرطبی الجامع لاحکام القرآن، تحقیق ابوالسحاق ابراہیم طغیش الحمید المصریہ العامہ لکتاب ۱۹۸۷ء
- (۱۷) ابو عبد الرحمن بن محمد بن حسین بن محمد بن موسیٰ السلسی طبقات الصوفیاء، مرتبہ جوہانس پیڈرسن لیڈن ۱۹۸۰ء
- (۱۸) ابو الفضل شہاب الدین السید محمود آلوسی البغدادی روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسیع المثانی، مصر ۱۳۵۳ھ
- (۱۹) ابوالقاسم جبار اللہ محمود بن عمر الزحشری الکشاف، مصطفیٰ البابی الحنفی واولاد بمصر قاہرہ ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء
- (۲۰) الامام ابوالقاسم ابن ہوازن بن عبد الملک بن طلحہ القشیری النیشاپوری الشافعی الرسالۃ القشیریہ، تحقیق الدكتور عبد الحلیم محمود محمود بن الشریف، دارالکتب الحدیثیہ القاہرہ الطبعة الاولیٰ ۱۳۸۵ھ/۱۹۷۲ء
- (۲۱) ابو محمد عبد اللہ بن مسلم ابن قتیبہ الکاتب المدنی کتاب المعارف، مرتبہ فرڈی نینڈ و سٹیفیلڈ کوٹن ۱۸۵۰ء
- (۲۲) ابوالنصر السراج الطوسی اللمع، تحقیق و تقدیم و تخریج، الدكتور عبد الحلیم محمود، طبع عبد الباقی سرور، دارالکتب الحدیثیہ بمصر و مکتبہ المثنیٰ بغداد ۱۳۸۰ھ/۱۹۶۰ء
- (۲۳) خیر الدین الزرکلی الاعلام مطبعة کویتا سوباس و شرکاء مصر، الطبعة الثانية ۱۳۷۲-۱۳۷۸ھ/۱۹۵۴-۱۹۵۹ء
- (۲۴) حافظ زین الدین عراقی المغنی عن حمل الاسفار فی تخریج ما فی الاحیاء من الاخبار من الاخبار بر حاشیہ احیاء علوم الدین ۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ء
- (۲۵) الامام الحافظ شمس الدین الذهبی تذکرة الحفاظ، دائرہ المعارف العثمانیہ حیدرآباد، الطبعة الرابعہ ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء
- (۲۶) شیخ کمال الدین الدیمیری حیاہ الجنہ وان الکبری، مطبعة السعادة، مصر ۱۳۳۰ھ
- (۲۷) شیخ محی الدین ابن عربی الفتوحات المکیہ، القاہرہ ۱۳۹۳ھ/۱۹۷۴ء
- (۲۸) ملا علی قاری الموضوعات الکبیر، المطبع الریج الجہانی، دہلی ۱۳۱۵ھ
- (۲۹) امام مسلم صحیح مسلم بشرح نووی وادریاء التراث العربی بیروت لبنان، الطبعة الثانية ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء

- (۳۰) شاہ ولی اللہ دہلوی
- (۳۱) مجدد الف ثانی
- (۳۲) ابن اثیر
- (۳۳) امام ابن تیمیہ
- (۳۴) حافظ ابن جوزی
- (۳۵) ابن حجر عسقلانی
- (۳۶) ابن حجر عسقلانی
- (۳۷) ابن حجر عسقلانی
- (۳۸) ابن حزم
- (۳۹) ابن خلدون
- (۴۰) ابن الصلاح
- (۴۱) ابن قیم
- (۴۲) ابن کثیر
- (۴۳) ابن کثیر
- (۴۴) شیخ الاسلام جلال الدین عبدالرحمن سیوطی
- (۴۵) محمد سلیمان عبداللہ الاشقر
- التواریخ مسطورہ، مکتبہ مکتبہ یہ سہارنپور ۱۳۸۵ھ/۱۹۶۵ء
- المکتوبات من المکتوبات، استنبول ترکی ۱۹۷۸ء
- اکمال فی تاریخ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء
- مجموع فتاویٰ، جمع و ترتیب عبدالرحمن قاسم العاصمی الانجری الحسینی
- وانبہ محمد، مکہ، قاہرہ ۱۴۰۴ھ
- کتاب الموضوعات تقدیم و تحقیق عبدالرحمن محمد عثمان، دار الفکر بیروت،
- الطبعة الثانية ۱۳۰۴ھ/۱۹۸۳ء
- الاصاب فی تمییز الصحابة، تحقیق علی محمد الجبالی القاہرہ
- ۱۳۸۳ھ/۱۹۷۰ء
- تقریب الجہد یب، تحقیق ابو الاشبال صغیر احمد شاعوف، دہلی ہند،
- الطبعة الاولى ۱۳۲۸ھ/۲۰۰۷ء
- الزهر النضر فی حال النضر تقدیم و تحقیق و ترجمہ صلاح الدین متبول
- احمد نیوہی (المہند) الطبعة الاولى ۱۴۰۸ھ/۱۹۸۸ء
- الفصل فی الملل والاعواء والخل، دار المعرفۃ بیروت لبنان، الطبعة
- الثانية ۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵ء
- وفیات الاعیان، تحقیق احسان عباس، دار صادر بیروت
- ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء
- فتاویٰ ابن الصلاح - القاہرہ
- النار المذیفة، تحقیق عبدالفتاح البوعہ، مکتب المطبوعات الاسلامیہ
- حلب الطبعة الثانية ۱۴۰۳ھ/۱۹۷۲ء
- البدایہ والنہایہ، مکتبہ المعارف بیروت، الطبعة الثانية ۱۹۷۷ء
- قصص الانبیاء، تحقیق الدكتور مصطفیٰ الواحد، مکہ المکرمہ، الطبعة
- الثالثة ۱۴۰۸ھ/۱۹۸۸ء
- الاتقان فی علوم القرآن - دہلی
- زبدۃ الثغیر من فتح القدير - الکویت - الطبعة الاولى ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۵ء

فارسی

- امیر حسن علاء تجزی
حمید قلندر
محمد خاندان شاہ
محمد داراشکوہ
شیخ فرید الدین عطار
- فوائد القواد، مطبع نولکھور لکھنؤ، بار چہارم ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء
خیر الجالس تنقیح و تعلق خلق احمد نظامی، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ
تاریخ روضۃ الصفا، بمبئی ۱۲۷۱ھ
سفینۃ الاولیاء، مطبع نولکھور کانپور، بار دوم ۱۹۰۰ء
کتاب تذکرۃ الاولیاء تقدیم آقای مرزا محمد قزوینی تہران، چاپ سوم
سال ۱۳۳۶ھ
- شیخ محمد الف ثانی
سید محمد بن مبارک علوی کرمانی
ملا عبد النبی فرید الدین قزوینی
سید مظفر علی شاہ
نظامی سنجوی
ابو الحسن علی بن عثمان الجلابی البجوری
- کتوبات امام ربانی۔ کراچی/استانبول ۱۳۹۷ھ/۱۹۷۷ء
سیر الاولیاء، اسلام آباد لاہور ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء
تذکرہ میخانہ، تصحیح و تنقیح کلچین معانی طہران ۱۳۸۰ھ
جواہر نشینی، مطبع نولکھور ۱۸۹۸ء
سکندر نامہ بری، مطبع فشی گلاب سنگھ لکھنؤ
کشف الحجب، نسخہ تہران تصحیح و تفسیر علی قویم مرکز تحقیقات فارسی
ایران و پاکستان، اسلام آباد ۱۹۷۸ء
رسالہ ابدالیہ، تصحیح و تنقیح و پیشگفتار محمد نذیر انجما، مرکز تحقیقات
فارسی، ایران و پاکستان اسلام آباد ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء
مراۃ الاسرار، عکس مخطوط کتب خانہ شبلی دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ
شاہ نامہ، مطبع فتح الکرمیم، بمبئی ۱۳۰۶ھ
تذکرۃ الشعراء، مرتبہ شیخ محمد اقبال صوفی لاہور ۱۹۲۳ء
نجات الانس، مطبع نولکھور کانپور ۱۸۹۳ء
- عبد الرحمن چشتی
حکیم ابوالقاسم فردوسی طوسی
دولت شاہ سمرقندی
مولانا عبد الرحمن جامی
- اردو
مولانا سید احمد رضا بجنوری
- انوار الباری شرح صحیح البخاری۔ ربانی بکد پوٹالی کنواں۔ دہلی
۱۳۰۶ء/۱۳۲۷ھ
- مناظر احسن گیلانی
ڈاکٹر عبید اللہ فرائی
- سوانح قاسمی۔ دارالعلوم دیوبند ۱۳۷۵ھ
تصوف ایک تجزیاتی مطالعہ، ادارہ تحقیق و تصنیف علی گڑھ۔

بار اول ۱۹۸۸ء	مولانا شبلی نعمانی
شعر الہم، مطبع اعظم گڑھ، طبع ششم ۱۹۷۲ء	مولوی مہدی حسین ناصری
مناوید نجم۔ لہ آباد، ۱۹۸۹ء	ابو محمد عبدالاحد اور ادا صوفیا
خلافت پریس بمبئی	مولانا ابوالکلام آزاد
ترجمان القرآن، سہ ماہیہ اکادمی دہلی، طبع پنجم ۱۹۹۴ء	مورس بوکائیے
بائبل، قرآن اور سائنس۔ ترجمہ از ثناء اللہ صدیقی۔ دہلی۔	
اشاعت سوم ۱۹۸۸ء	

ENGLISH

Flavius Josephus; Antiquities of Jews (Translated by William Whiston) London
 Friedlander, M, The Jewish Religion, London 1937
 Trimmingham. J. Spenar, The Sufi Orders in Islam, oxford university press 1973
 History of Christianity (A collective Work), London 1929
 Encyclopaedia Biblica, A Dictionary of Bible
 Edited by T.K Eyne and T.Suther Land Black, London in 1914
 Encyclopaedia of Religion and Ethics. 1913, 1914, 1930, 1934
 The Jewish Encyclopaedia, New York, london 1916
 Encyclopaedia of Islam, Leiden, London, 1960, 1978
 Good News, Bible, Bangalore 1985



اشاریہ

شخصیات و اسما

الف

ابن جوزی، جمال الدین ابوالفرج عبدالرحمن:

۶۵، ۱۰۲، ۱۰۴، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۱۱، ۱۱۸، ۱۲۶، ۱۳۰،

ابن حجر عسقلانی، حافظ شہاب الدین ابوالفضل

احمد: ۱۳، ۶۳، ۷۹، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۳۳، ۱۳۵

ابن حزم، امام: ۱۰۱، ۱۳۰

ابن سناک، ابوالعباس محمد صبیح: ۸۳

ابن عامیل بن ساطین: ۱۹

ابن عباس، حضرت (صحابی): ۲۳، ۵۹، ۶۵،

۶۸، ۱۱۲، ۱۱۵، ۱۳۷، ۱۳۹، ۱۴۰

ابن عبدالبر، حافظ: ۱۳۰

ابن عربی، شیخ محی الدین: ۶۰، ۶۶، ۷۵، ۸۳،

۱۳۶، ۱۳۹

ابن العریف: ۱۰۱

ابن قیم، امام الجوزیہ: ۱۰۰، ۱۰۳، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۲۶،

ابن کثیر، حافظ امام الدین ابوالقداد: ۱۳، ۶۲،

۱۰۲، ۱۰۴، ۱۱۱، ۱۲۶، ۱۳۷، ۱۳۹، ۱۵۰

ابن ہشام: ۲۳

ابن ہمام، عبدالرزاق: ۱۲۸

آدم، حضرت: ۱۳، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۳۹، ۵۱،

۷۱، ۹۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۸، ۱۲۷

آشیر، جہمی: ۹۸

آصف بن برخیا (ذیرِ محرت پیمان علیہ السلام): ۷۲، ۷۳

آلوسی، ابوالفضل شہاب الدین سید محمود، علامہ:

۶۵، ۱۳۷

ابراہیم، حضرت (خلیل اللہ): ۱۳-۱۵، ۲۰،

۲۲، ۲۳، ۲۸، ۷۲، ۹۸، ۱۵۰

ابراہیم بن ادھم، شیخ ابومنصور: ۷۸، ۱۲۹

ابراہیم حربی، امام: ۱۰۰، ۱۰۳، ۱۰۸، ۱۲۶، ۱۲۹

ابراہیم خواص، شیخ ابواسحاق: ۸۲، ۸۷، ۱۲۹

ابراہیم مارستانی، شیخ ابواسحاق: ۷۷

ابلیس ملعون (شیطان): ۱۰۰، ۱۱۶، ۱۳۲

ابن اثیر: ۱۳

ابن اسحاق، ابوبکر محمد بن یسار: ۲۳، ۷۷، ۱۲۷

ابن بشکوال، ابوالقاسم: ۱۲۲

ابن تیمیہ، امام: ۶۲، ۱۰۲، ۱۰۴، ۱۲۶

- ابو اسحاق ابراہیم بغدادی: ۱۰۰
ابو اسحاق ابراہیم بن محمد بن سفیان: ۱۲۸
ابوبکر صدیق، حضرت (خلیفہ راشد اول): ۳۹، ۴۸، ۴۹
۱۳۳، ۱۳۲، ۱۳۱، ۱۲۵
ابوبکر بن الانباری: ۱۳۶
ابوبکر ابن العربی، قاضی: ۱۲۶، ۱۰۱، ۱۰۰
ابوبکر کتانی، شیخ محمد علی بن جعفر بغدادی: ۸۷
ابوبکر ہلالی، شیخ: ۸۷
ابوبکر بن الحسین النقاش: ۱۲۶، ۱۰۰
ابو حاتم ہبل البستانی: ۱۲۸، ۱۱۸، ۹۷، ۴۹، ۲۷، ۱۳
ابوحنیفہ، حضرت، امام اعظم: ۹۲، ۷۸
ابو حیان، اشیر الدین ابو عبد اللہ محمد بن یوسف: ۱۳۷، ۱۲۶، ۱۰۳، ۶۲
ابوالحسن بن المنادی: ۱۲۹، ۱۲۶، ۱۰۸، ۱۰۴، ۱۰۰
ابوالحسن علی ندوی، سید، مولانا: ۱۳۵
ابوالخٹاب بن وحید: ۶۱
ابوطاہر بن العبادی: ۱۰۱، ۱۰۰
ابوعبد اللہ محمد بن ابی الفضل المرسی: ۱۲۶، ۱۰۲
ابوعبد الرحمن بن محمد: ۷۸
ابوالعباس (حضرت خضر): ۸۱، ۱۵
ابوعروہ معمر بن راشد الازدی: ۱۲۸
ابوعروہ بن الصلاح، شیخ: ۱۲۸
ابوالفضل بن ناصر: ۱۰۰
ابویعلیٰ بن الغراء حنبلی، قاضی: ۱۲۶، ۱۱۷، ۱۰۱
ابو ہریرہ، حضرت (صحابی): ۱۶
- ابی بن کعب، حضرت (صحابی): ۱۳۹، ۷۳
اتناپشتم (Utnapeshtim)، قدیم عقل کل: ۴۹، ۴۸، ۳۹
احمد بن حنبل، امام: ۱۱۲، ۱۰۸، ۱۰۰، ۸۲
احمد رضا بجنوری، حضرت، مولانا: ۱۱۷
اخاب (اخی اب) بن عمری (بادشاہ بنی اسرائیل): ۱۴۶، ۱۴۵، ۱۴۲، ۱۴۱، ۱۴۰، ۴۲، ۴۱
اخزیہ (اخاب کا بیٹا): ۱۴۷، ۱۴۶
اوریس، حضرت (پیغمبر): ۱۳۹، ۱۲۷، ۹۹
۱۵۱، ۱۴۰
ارغشہ بن سام: ۱۵، ۱۴
ارمان علقما: ۱۴
ارمیا بن حلقیا: ۱۴
اسحاق بن ابراہیم: ۱۴
اسرائیل (فرشتہ): ۳۶
اسکندر (یونانی بادشاہ): ۴۹
اسماعیل، حضرت (پیغمبر): ۱۵۰
اشار (خیالی دیوی): ۳۹، ۳۸
اشتیاق احمد ظلی، ڈاکٹر: ۹
اصحاب الرس: ۷
اصحاب کہف: ۷
اعظمی، حبیب الرحمن: ۱۲۸
افریدون، بادشاہ ایران: ۳۹، ۲۱، ۲۰
الہاء، حضرت خضر کی والدہ: ۱۹
الیاس، حضرت (پیغمبر): ۳۶، ۴۱، ۴۲، ۵۱

ت

تابش مہدی، (شاعر): ۹
 ترمذی، امام (محدث): ۱۶
 ترمذی، شیخ حکیم الاولیاء محمد بن علی: ۷۶، ۷۹
 تیمی، شیخ ابراہیم: ۷۹

ث

ثعالبی، ابواسحاق احمد بن ابراہیم، علامہ: ۲۲
 ۳۴، ۵۸، ۶۲، ۱۱۵، ۱۲۸، ۱۳۷، ۱۳۹، ۱۴۰
 ثناء اللہ پرواز، ڈاکٹر: ۹
 ثمود (جس قوم میں حضرت صالحؑ نبی مبعوث کیے گئے): ۹

ج

جابر بن عبد اللہ، حضرت (صحابی): ۱۰۷، ۱۱۲
 جامی، مولانا: ۸۳
 جبرئیل، حضرت (فرشتہ): ۱۷، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۹
 جریری، ابو محمد: ۷۷
 جساسہ: ۱۱۶
 جعفر صادق، حضرت، امام: ۲۶
 جیل جیمس (Gilgames)، ارک کا بادشاہ: ۳۸
 ۳۹، ۳۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱
 جنت کا پرندہ (الیاء نبی): ۳۳
 جنید بغدادی، حضرت: ۷۷، ۸۲، ۱۲۹

۹۱-۹۳، ۹۵، ۹۸، ۹۹، ۱۱۵، ۱۱۶،

۱۲۵-۱۲۷، ۱۳۱، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۹، ۱۵۱

اُمّ عاصم، والدہ حضرت عمرؓ: ۱۳۳

انس، حضرت (صحابی): ۱۳۱

انڈریس: ۵۱

اویس قرنی، حضرت، سید القباہین: ۱۲۳

ایزنیل، اغاب کی بیوی: ۱۴۰، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۶

ایلیاہ بن عامیل: ۱۴

ایلیاہ نبی (حضرت الیاس): ۴۱، ۴۸، ۵۱، ۱۴۰

ایڈریز، سکندر کا پورچی: ۳۷

ب

باقی باللہ، شیخ خواجہ: ۹۵
 بخاری، امام، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل محدث:
 ۱۲، ۱۰۱، ۱۰۴، ۱۰۷، ۱۱۷، ۱۲۶، ۱۲۹
 بدیع الدین (مکتوب الیہ امام ربانی): ۹۶
 بستاسب بن لہر اسب، ایرانی بادشاہ: ۲۰
 بعل، دیوتا (اہل بعلبک): ۴۱، ۴۲، ۱۴۰
 ۱۴۲، ۱۴۴، ۱۴۹، ۱۵۰
 بلقیس، ملکہ سبا: ۷۳
 بلیاہن مکان: ۱۳، ۱۵، ۳۹
 بیتقی، امام (محدث): ۱۳۰

پ

پنچر، ٹی۔ جی (T.G. Pinches): ۳۸، ۴۰

پیڈرسن، جوہانس: ۷۸

حضرت خضر: تحقیق کی روشنی میں

چ

چشتی، حضرت معین الدین، خواجہ: ۷۶

چشتی، عبدالرحمن: ۱۳

چینی، ٹی۔ کے (ڈکشنری آف بائبل): ۴۲

ح

الحافی، ابو نصر بشر بن حارث: ۸۲

حسام بن نوح: ۲۸

حسان بن ثابت، حضرت (صحابی): ۱۱۳

حسن بصری، حضرت، خواجہ: ۷۷، ۱۱۵، ۱۲۶، ۱۳۹

حمید قلندر، مولانا: ۷۶

الحواری، شیخ ابوالحسن احمد: ۸۴

خ

خاتم النبیین، رسول اللہ، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم:

۷، ۱۷، ۱۸، ۲۱، ۶۶، ۷۲، ۷۳، ۷۹، ۸۳، ۸۹،

۹۳، ۹۹، ۱۰۱، ۱۰۳، ۱۰۶، ۱۰۸، ۱۱۱، ۱۱۳، ۱۱۶،

۱۱۷، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۷، ۱۳۱، ۱۳۲

خسیف بن عبد اللہ الجزری: ۱۲۷

خضر، حضرت (عبد): ۸

خضر بن مکان: ۱۴

خضرون: ۱۳، ۹۷

خضرون بن عمائل: ۱۵

خطاف (ایک قسم کا جانور): ۳۵

خطیب بغدادی: ۱۳۰

خلفا بن عیمو: ۱۹

خورش، بادشاہ ایران: ۲۴

و—و

داراشکوہ، محمد: ۱۴، ۶۶، ۷۹

دجال: ۲۰، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹

الدیمیری، شیخ کمال الدین: ۱۴، ۲۴

الدینوری، ابن قتیبہ: ۱۵

داؤد، حضرت (پیغمبر): ۷۸

ذوالقرنین (بادشاہ): ۷، ۲۰، ۲۷، ۲۳، ۳۶

۳۹، ۵۰، ۵۳، ۹۱، ۱۰۹

ذوالقرنین اصغر: ۲۲، ۲۳

ذوالقرنین اکبر: ۲۲، ۲۳

ر—ر

ربیع، محمود حسن: ۷۹

رجال الغیب: ۶۶

رفائیل (فرشتہ): ۲۵

رمانی، ابوالحسن علی بن عیسیٰ الخوی: ۶۵

رئیس الابدال: ۶۶

ریاح بن عبیدہ، الکوفی: ۱۳۴

زبخشری، امام ابوالقاسم جارا اللہ محمود: ۶۳، ۱۳۷

زمن، ایچ (H. Zimmer): ۳۸، ۴۰

زید، حضرت (صحابی): ۷۳

زین الدین عراقی، حافظ: ۱۰۵، ۱۲۶

ش

شافعی، امام، ابو عبد اللہ محمد بن ادریس: ۸۱، ۹۳، ۹۵

شائع بن ارنجند: ۱۴

شائع بن عابر: ۱۵

شائع بن عامر: ۱۵

شاہ جہاں، مغل فرماں رواں: ۶۶

شاہ، محمد خاوند: ۵۸

شاہ ولی اللہ دہلوی، محدث: ۶۶

اشعرانی، عبد الوہاب، شیخ: ۱۳، ۸۳، ۱۳۰

شیث، حضرت (پیغمبر): ۹۸، ۹۷

شیخ حسین، ابن محمد بن الحسن الدیار الکبریٰ: ۱۳

س

سام بن نوح: ۱۴، ۲۳، ۲۸

سازس، بادشاہ ایران: ۵۲

سیجو، (ایک یونانی دیوی): ۵۱

سجری، امیر حسن علا: ۸۵

سعد الدین، ابو بکر، شیخ: ۱۳۶

سعید بن مسیب، حضرت: ۱۶

سفیان ثوری، حضرت: ۷۸

سکندر، بادشاہ یونان: ۲۲-۲۳، ۳۱-۳۲

سکندر، بادشاہ یونان: ۲۲-۲۳، ۳۱-۳۲

۳۶، ۵۰، ۵۲، ۹۸، ۹۹

سلطان احمد اصلاحی، مولانا: ۹

سلیمان، حضرت (پیغمبر): ۷۲

سماطین بن ارماء: ۱۹

سمانی، علاء الدین: ۸۹

سمعان بن سام: ۱۴

سہروردی: ۱۲۳

السہلی، عبد اللہ بن عبد اللہ: ۱۹، ۱۳۰

السیری، شیخ ابو عبد اللہ: ۸۵

سیوطی، جلال الدین عبد الرحمن، شیخ الاسلام:

۱۲۷، ۱۳۰

ص

صالح، حضرت (پیغمبر): ۷۲

صدیقی، ثناء اللہ: ۴۹

صعب بن ذی مرثد الحمیری: ۲۴

صلاح الدین مقبول احمد: ۱۳

ط

طارق ابن زیاد: ۱۳۳

طبری، ابو جعفر محمد بن جریر: ۱۳

طوسی، شیخ ابو نصر سراج: ۷۷ تا ۷۴

طیان بن سماع: ۱۴

ع

عمر فاروق، حضرت، (خلیفہ راشد دوم): ۱۱۹، ۱۲۵، ۱۳۳
عمر بن عبد العزیز، حضرت عمر ثانیؓ: ۱۲۹، ۱۳۳
عیان بن طیالہ: ۱۴
عیسیٰ، حضرت مسیح (عجیبر): ۲۳، ۴۷، ۴۸
عیصو بن اسحاق: ۱۳، ۱۵، ۱۹
عینی، بدر الدین، شارح بخاری: ۱۱۷، ۱۲۷، ۱۳۰، ۱۳۹

ف

فالغ بن عامر: ۱۳، ۱۵
فردوسی، ابوالقاسم حسن بن اسحاق: ۳۰، ۳۳، ۳۶، ۵۳
فضیل بن عیاض، سمرقندی: ۷۸، ۹۲
فرعون: ۷، ۱۷
فریدون بن اثغیان: ۲۳
فرید الدین، حضرت گنج شکر: ۷۶
فریڈ لینڈر، آئی: ۷۳، ۵۲

ق

قابیل (حضرت آدم علیہ السلام کا بیٹا): ۱۳، ۹۷، ۹۸
قاسم رسول الیاس، سید: ۹
قنادہ، ابوالخطاب: ۵۸
قتیبہ بن مسلم: ۱۳۳، ۱۳۰، ۱۳۸
قرطبی، ابوعبداللہ محمد بن احمد الانصاری: ۶۳، ۱۳۷

عاد، ایک قدیم قوم: ۷
عامیل بن شامشین: ۱۳
عبداللہ بن اسعد الیافعی، شیخ: ۱۲۹
عبداللہ الاشراف، محمد سلیمان: ۱۵۱
عبداللہ بن ضحاک: ۲۳
عبداللہ بن مبارک: ۱۲۲
عبداللہ ابن عباس، حضرت: ۱۲۲، ۱۲۶، ۱۳۶
عبدالحکیم محمود، الدکتور: ۶۱
عبدالحق غجدوانی، خواجہ: ۹۳
عبدالرحمن جامی، مولانا: ۱۳
عبدالرزاق بن ہمام: ۸۱
عبدالقادر جیلانی، شیخ: ۸۸
عبید اللہ فرہانی، ڈاکٹر: ۸
عبید اللہ فہد فلاحی: ۹
عطار، خواجہ علاء الدین: ۱۴
علاء الدین، شیخ: ۱۲۴
علی، حضرت، کرم اللہ وجہہ، (خلیفہ راشد): ۶۸، ۱۲۳، ۱۲۵، ۱۳۲، ۱۳۳
علی بن موسیٰ، الرضا (اہل تشیع کے آٹھویں امام): ۱۲۶، ۱۱۷، ۱۰۷، ۹۹
علقما بن عیسو: ۱۴
علوی کرمانی، سید محمد مبارک: ۸۶
عمائیل بن النصر: ۱۵

مصطفیٰ الواحد، الدکتور: ۱۳

قتیری، ابوالقاسم عبدالکریم، امام: ۶۱، ۶۷، ۱۳۶

مظفر جصاص: ۸۰

قطب الدین، حضرت: ۷۶

معاذ بن جبل، حضرت (صحابی): ۷۳

قطب الدین بختیار کاکی، خواجہ: ۷۶، ۸۵، ۸۶

معروف کرخی، حضرت: ۱۲۹

مغرلی (حضرت خضر): ۹۳

ملا علی قاری، شیخ علی بن سلطان الہروی: ۱۰۵، ۱۲۶

مکان بن عیان: ۱۳

مکان بن فالغ: ۱۴

مناظر احسن گیلانی، سید: ۱۳۵

مناوی، شیخ عبدالرؤف: ۷۹

مورس بوکائے: ۴۹

موسیٰ کلیم اللہ، حضرت (پیغمبر): ۸، ۱۶، ۲۰، ۲۱،

۲۸، ۵۲، ۵۴-۶۰، ۶۳، ۶۷، ۶۹-۷۱،

۹۸، ۱۰۲، ۱۰۸، ۱۱۰، ۱۱۲، ۱۲۱

موسیٰ بن نشی بن یوسف بن یعقوب: ۲۰-۲۱

موسیٰ بن نصیر: ۱۳۳

مہدی حسن ناصری، مولوی: ۳۲

میکائیل (فرشتہ): ۱۵۰

ن

ناشیہ بن اموص، بادشاہ اسرائیل: ۲۰

نجاشی، حبشہ کا بادشاہ، مردِ مومن: ۱۲۳

نحبت نصر ثانی: ۵۲

نذیر رانجھا، محمد: ۱۴

نسیم غازی فلاحی: ۹

ک-گ

کار، سہیل بشیر: ۱۲، ۳

الکاشفی، ملا سید حسین الواعظ: ۱۵۰

کمال کشمیری، مولانا (سیالکوٹی): ۹۵

گنج مراد آبادی، شاہ فضل الرحمن: ۱۳۵

گولڈزیہر، اگناز: ۱۳

ل-م

لیونارڈو لے، سر: ۴۹

مالک، امام: ۱۲۲

مالک، فرعون کی بیٹی: ۱۷

مجدد الف ثانی، حضرت شیخ سرہندی: ۸۸، ۹۵

مجدد الدین شیرازی، شیخ: ۱۰۵، ۱۲۶

محمد الغزالی، امام: ۶۶

محمد بن قاسم: ۱۳۳

محمد بن سیرین، حضرت: ۵۹

محمد عارف اقبال: ۱۰

محمد فاروق خاں، مولانا: ۹

مرزبان ابن مردوبہ: ۲۴

مریم، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ: ۷۲، ۷۳

المسعودی، ابوالحسن علی بن الحسین: ۱۵

حضرت خضر: تحقیق کی روشنی میں

بد ہد (حضرت سلیمانؑ کا تابع پرندہ): ۷۳
ہمدانی، ابو بکر محمد الحسین: ۸۳

ی

یاجوج ماجوج: ۷، ۲۳، ۵۰، ۱۱۸

یافث بن نوح: ۲۸، ۱۱۸

یحییٰ، حضرت (نبی): ۱۳۵، ۱۳۷

یلین مظہر صدیقی، پروفیسر: ۹

الیسع، حضرت (نبی): ۱۳۵، ۱۳۷

یشوع بن یوی: ۴۵

یعقوب، حضرت (پیغمبر): ۱۳۳

یعقوب چرخ، مولانا: ۱۳، ۷۷، ۹۲، ۹۳، ۱۳۶

یوشع بن نون: ۵۶، ۵۹، ۱۳۰

☆☆☆

اشاریہ اماکن

آئر لینڈ: ۹۸

اردن: ۲۲، ۱۳۸

ارک (بابل کا ایک شہر): ۳۸، ۴۹

اسکندریہ: ۲۳

افریقہ: ۵۸

اندلس: ۱۲۲، ۱۳۳

انطاکیہ: ۵۹

ایران: ۳۰-۵۳

ایلہ: ۵۹

انصر خراط: ۸۰

انصر بن العیس: ۱۵

انصر الدین، شیخ چراغ دہلوی: ۷۶

انظام الدین اولیا، شیخ احمد بن محمد: ۸۵، ۸۷، ۹۱

انظامی گنجوی، ابو محمد الیاس: ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۶

۵۳، ۳۷

انعمانی، محمد عبدالرشید، مولانا: ۱۵۰

انقیب الاولیا (حضرت خضر): ۹۴

انوح، حضرت (پیغمبر): ۲۸، ۴۸، ۵۱، ۷۲

۱۰۹، ۱۱۶، ۱۱۸-۱۲۰

انوی، امام، ابو زکریا محی الدین یحییٰ: ۱۳، ۱۵

۵۸، ۶۱، ۱۲۸، ۱۲۹

و

وراق، شیخ ابو بکر: ۷۹

ولید عبدالملک، خلیفہ: ۱۳۳

وہب بن منبہ، ابو عبد اللہ الصغانی: ۱۳، ۲۴، ۶۵

۱۱۵، ۱۲۶، ۱۳۷

ونٹسٹن، ولیم: ۴۲

۵

ہاتیل (حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے): ۹۷

ہاروت وماروت: ۱۱۶

ہارون، حضرت (پیغمبر): ۱۳

ہجویری، حضرت عثمان جلالی: ۷۹

عراق: ۲۳، ۸۳، ۱۰۱	بابل: ۱۳، ۲۸، ۳۰، ۳۸، ۵۲، ۵۳
عرفات: ۱۳۹	نجر احمر: ۵۹
غور: ۳۲	نجر اردن: ۵۹
فارس: ۱۶، ۲۲، ۲۳	نجر روم: ۵۹
فلسطین: ۵۲	نجر زقاق: ۵۹
قاہرہ: ۶۱	نجر فارس: ۵۸
قرطبہ (اندلس): ۱۲۲	نجر قلزم: ۵۹
قیصو (ہندوستان): ۲۲	بخارا: ۹۱
کوفہ: ۸۳، ۹۲	بیت المقدس: ۵۲، ۹۱، ۱۱۲، ۱۵۰
مجمع البحرین: ۵۱، ۵۵، ۵۸، ۵۹	بیردت (لبنان): ۱۰۱
مدینہ منورہ: ۸۱، ۸۳، ۹۰، ۹۱، ۱۱۶، ۱۱۷	جبل نصیر (دجلہ اور موصل کے مغرب میں): ۲۹
مسجد اقصیٰ: ۹۱	جزیرۃ البحر: ۵۱
مسجد الحرام: ۹۱	چشمہ حیات: ۲۲، ۲۳، ۵۹
مسجد جبل طور: ۹۱	چین: ۳۲، ۱۳۳
مسجد قبا: ۹۱	حجاز: ۸۳
مسجد نبوی: ۹۱	حیرہ: ۸۴
مصر: ۳۰، ۳۷	خراسان: ۳۲، ۱۳۶
مقدونیہ: ۲۲	خوارزم: ۳۲
مکہ مکرمہ: ۷۷، ۹۱، ۹۲	دمشق: ۶۰، ۱۳۳، ۱۳۶، ۱۴۵
موصل: ۷۵	روس: ۳۲
نہر سوئز: ۵۹	روم: ۲۲، ۲۳
ہندوستان: ۳۲	سمرقند: ۹۱
یروشلم: ۳۸	سندھ: ۱۳۳
یونان: ۳۰، ۵۳	شام: ۲۸
☆☆☆	شیراز: ۱۶

یادداشت

ڈاکٹر غلام قادر لون (پ: ۱۹۵۵) کا شمار عہد حاضر کے ان محققین میں ہوتا ہے جو تحقیق کا بھاری پتھر محض چوم کر چھوڑنے کے قائل نہیں بلکہ انتھک جاں نشانی سے موضوع کا حق ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کا وطن اگرچہ کشمیر (بارہمولہ) ہے، وہیں پیدا ہوئے اور گریجویشن تک کی تعلیم کشمیر ہی میں حاصل کی لیکن ان کا اسلوب نگارش اردو زبان و ادب کے اعلیٰ معیار اور ثقافت کو بخشنے کو پسند ہے۔ انھوں نے ایم اے کی ڈگری امتیازی نمبرات سے لکھنؤ یونیورسٹی سے حاصل کی اور وہیں سے انھیں پی ایچ۔ ڈی کی سند بھی عطا کی گئی۔

ڈاکٹر لون کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ مختلف علوم بالخصوص تحقیقی، دینی اور نصابی کتابوں کی تصنیف میں قاری کی عمر اور نفسیات کو خاص طور پر ملحوظ رکھتے ہیں۔ سلیس اور رواں تحریر کا بانگنیں ان کی تحقیقی کتابوں میں بھی نظر آتا ہے۔ ان کی دلچسپی کے موضوعات میں قرآن، حدیث، تاریخ، تصوف اور فلسفہ و علم کلام کو اختصاص حاصل ہے۔ زبان و ادب کے حوالے سے تعلیمی و درسی کتابوں کے ماہرین میں بھی ان کا شمار ہوتا ہے۔ ان کا تحقیقی اور تصنیفی سفر الحمد للہ جاری ہے۔ اب تک ان کی درج ذیل چار علمی و تحقیقی کتابیں منظر عام پر آئی ہیں:

- مطالعہ تصوف (قرآن و سنت کی روشنی میں) ● قرون وسطیٰ کے مسلمانوں کے سائنسی کارنامے ● اقبال کا جہان آدم و ابلیس ● خواب کی دینی حیثیت
- زیر نظر کتاب ”حضرت خضر: تحقیق کی روشنی میں“ اس لحاظ سے بے حد اہم ہے کہ حضرت خضر کا ذکر قرآن مجید میں خاص طور پر آیا ہے لیکن ابھی تک اس موضوع پر کم سے کم اردو میں کوئی مبسوط کتاب نظر نہیں آتی۔ ڈاکٹر غلام قادر لون نے بڑی عرق ریزی اور محنت شاقہ سے یہ کتاب لکھی ہے۔ مستند حوالوں اور حواشی سے مؤثق یہ کتاب یقینی طور پر ان شاء اللہ اہل علم و دانش کی توجہ مبذول کرائے گی۔

— محمد عارف اقبال [مدیر، اردو بک ریویو، نئی دہلی]